عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

طلوعِ اسلام

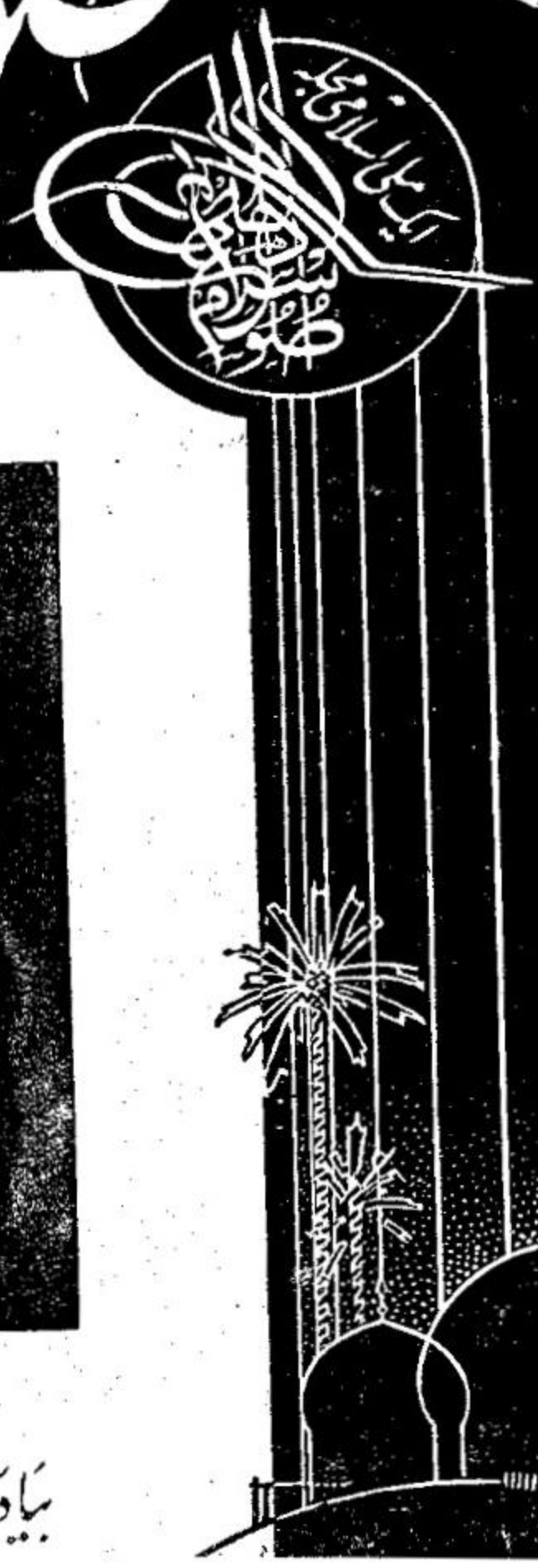

نومبر ۱۹۴۰ء

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا

ماہوار مجلّہ

طلوع اسلام

دہلی

(دور جدید)

مرتّب
اخوندزادہ حسین امام
جلد (۳) شمارہ (۱۱)

بدل اشتراک
پانچ روپیہ سالانہ
ششماہی تین روپے
فی پرچہ آٹھ آنے (۸؍)

شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق نومبر ۱۹۴۰ء

فہرست مضامین

لمعات	ادارہ	۱ــــ۱۱
کچھ خاکساروں سے	ادارہ	۱۲ــــ۲۴
ہلالِ عید	ازجناب اسد ملتانی	۲۵
لیلۃ القدر	جناب غلام احمد صاحب پرویز	۲۶ــــ۳۰
روزوں کی عید	جناب غلام احمد صاحب پرویز	۳۱ــــ۳۴
پیغام عید	حضرت علامہ حافظ محمد اسلم صاحب	۳۵ــــ۳۸
تربیتِ حریت	حضرت علامہ حافظ محمد اسلم صاحب	۳۹ــــ۴۰
وراثتِ زمین	جناب عبدالستار خاں صاحب نیازی ایم۔ اے	۴۱ــــ۶۴
عقل و عشق	جناب سید محمد یوسف صاحب ایم۔ اے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ	۶۵ــــ۷۹
مردم شماری	ادارہ	۸۰ــــ۸۳
؟		۸۴

لمعات

جس شخص کے پیش نظر کوئی خاص مقصد ہو اور وہ اس مقصد کے حصول کے لئے کوشاں۔ اس کے مراحلِ سعی و جد و جہد کو دو واضح اور متمیز حصوں میں تقسیم کیا جا سکے گا۔ پہلا حصہ، نصب العین کا صحیح صحیح تعین۔ اس تک پہونچنے کے لئے راستہ کے تمام مقامات و منازل کا جائزہ۔ ضروری سامان اور ذرائع کی فراہمی۔ اور اگر مقصد پیش نظر ایسا ہے جس کی افادیت اپنی ذات کے علاوہ اوروں کو بھی محیط ہو۔ تو اس مقصد کے صحیح اور مفید ہونے کے متعلق افہام و تفہیم۔ متعلقہ احباب سے صلاح اور مشورہ۔ نصب العین کی اہمیت و افادیت کی تبلیغ رفقاءِ سفر میں یک رنگی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش۔ یہ سب کچھ حصول مقصد کے لئے باب اوّل ہوگا۔ جب یہ تمام کڑیاں درست اور صحیح حالت میں یکجا فراہم ہو جائیں گی۔ تو اس کے بعد اس پروگرام کا دوسرا حصہ شروع ہوگا۔ یعنی حصول مقصد کے لئے قدم اٹھایا جائے گا۔ یہ کارواں جانبِ منزل جادہ پیما ہوگا۔ اور قدم بہ قدم منزل بہ منزل اپنے نصب العین کی طرف رواں دواں بڑھتا چلا جائے گا۔ حتےٰ کہ یہ اپنے مقصدِ متعینہ تک جا پہنچے گا۔

افراد کی طرح اقوام کی سعی و تگ و دو کا بھی یہی عالم ہے۔ اقوام کے پیش نظر مقاصد عظیم، اور ان کی سعی و عمل کی جولانگاہ وسیع ہوگی۔ اس لئے ان کے لئے سامان سفر کی مقدار اور رفقائے کار کی تعداد کی بھی اسی اعتبار سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ بلکہ رفقائے سفر کی تعداد سے کہیں زیادہ ان میں وحدتِ فکر و نظر اور یکسانیتِ عمل کی ضرورت ہوگی۔ اسلئے اُن کے لئے باہمی افہام و تفہیم اور ابلاغ و تبلیغ بھی اسی نسبت سے زیادہ ضروری ہوگی۔ لیکن افراد کی طرح انہیں بھی اپنے میدانِ عمل میں اپنے وقت میں دوسرا قدم اٹھانا ہوگا۔ فراہمیٔ اسباب و ذرائع اور ترتیب قافلہ کے بعد منزل کی طرف قدم اٹھانا ان کیلئے بھی ناگزیر ہوگا

جب تک اس سلسلہ کی یہ دونوں کڑیاں یکجا نہ ہوں گی۔ کوئی فرد یا کوئی قوم منزل تک نہیں پہنچ سکے گی۔ اگر اپنی قوتوں کا جائزہ اور راستہ کی مشکلات کا اندازہ کئے بغیر کشتی کا لنگر اٹھا دیا۔ تو ہجوم مخالفت کی سیلاب انگیزیوں میں بربادی یقینی اور ہلاکت اٹل ہے اس کے برعکس اگر ساری عمر فراہمی اسباب وذرائع میں ہی صرف کردی جائے تو ان تمام اعمال کے رائیگاں اور سعی وعمل کے بے نتیجہ ہونے میں کسے کلام ہوسکتا ہے۔ افراد کی زندگی میں تو خیر اتنا ہی ہوتا ہے کہ اعمال رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ لیکن اقوام کی زندگی میں اس کی مضرت دُور رس ہوتی ہے۔ فراہمی سامان اور ذرائع کے بعد اگر آپ عازم منزل نہیں ہوتے تو کچھ عرصہ کے بعد قوم پر جمود و تعطل چھا جائے گا۔ ان کے قوائے عملیہ مفلوج ہو جائیں گے ان کے ولولے سرد پڑ جائیں گے۔ امنگیں مٹ جائیں گی۔ آرزوئیں فنا ہو جائیں گی۔ سینہ کی چنگاریاں راکھ کا ڈھیر بن کے رہ جائیں گی۔ شوقِ رہ منزل آوارہ اور فکرِ فردا پریشان ہو جائے گا۔ نصب العین کے درخشندہ نقوش آہستہ آہستہ مٹنے شروع ہو جائیں گے۔ اور نہ صرف خود ہی مٹیں گے بلکہ نصب العین کی صداقت کا یقین بھی ساتھ ہی مٹا دیں گے اور پھر حالت یہ ہو جائیگی کہ ؎

ولئے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

آپ اپنے گرد و پیش نظر دوڑائیے۔ تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کیجئے۔ تجربات ومشاہدات کو سامنے رکھئے۔ قوموں کی تباہی اور انکی سعی وعمل کی بربادی کا راز ان دو کڑیوں کے باہمی ربط وضبط کی محرومی میں پنہاں ملیگا۔ ہمیں اِدھر اُدھر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے لئے حضور سرور کائینات نبی اکرمؐ کی ذات اقدس واعظم کا اسوۂ حسنہ سب سے بڑی شمع ہدایت اور سب سے درخشندہ دلیلِ راہ ہے۔ ذرا غور فرمائیے۔ حضورؐ کی عمر نبوت کس قدر مختصر تھی (صرف ۲۳ سال) اور مدتِ نبوت کس قدر حدود فراموش (یعنے قیامت تک کوئی اور نبیؐ نہیں آئے گا)۔ اس اعتبار سے حضورؐ کی عمر نبوت کو پھیلایئے تو اس حیات طیبہ کا ایک ایک

دن ایک ایک ہزار سال بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے مما تعدون (تمہارے اعداد و شمار کے لحاظ سے) اس گرانقدر عمرِ نبوت میں سے تیرہ سال کا عرصہ اس دور میں بسر ہوا جسے ہم نے فراہمی اسبابِ وذرائع اور نشر و تبلیغ اور اصول و مبادیات کا زمانہ قرار دیا ہو ظاہر بیں نگاہوں سے دیکھئے تو اس زمانہ میں گویا کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا لیکن حقیقت بیں آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ سب کچھ اسی زمانہ میں ہو رہا تھا .... یہ دور بظاہر انتقائی مایوسیوں اور شدت کی تلخیوں کا زمانہ تھا۔ لیکن آنے والی تمام کامرانیوں اور شادکامیوں کا ہیولیٰ یہیں تیار ہو رہا تھا اس اس دور میں آنے والی منازل میں سے ایک ایک منزل کا جائزہ لیا گیا۔ اپنی تمام قوتوں کا اندازہ کیا گیا۔ اللہ کی جماعت (حزب اللہ) کو سخت ترین آزمائشوں سے گذارا گیا اور اس کے بعد جب دیکھا۔ کہ دورِ اوّل کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ تو دورِ ثانی میں قدم رکھنے کے لئے ایک دن کا التوا بھی جائز نہ سمجھا گیا۔ اور حضرت نوح ع کی طرح " بسم اللہ مجریھا ومرسٰھا کہتے ہوئے کشتی کا لنگر اٹھا دیا اور ملت اسلامیہ کے مؤسس اوّل حضرت ابراہیم ع کے الفاظ میں "انی مھاجرٌ الیٰ ربی " اور (انی ذاھبٌ الیٰ ربی) کہہ کر ایک نئے میدانِ عمل کی طرف جادہ پیما ہو گئے۔ اتنا توقف بھی نہ کیا کہ اہل و عیال کو ساتھ لے جانے کا سامان ہو جائے تو پھر ملک چھوڑا جائے۔ ایسی گراں قدر زندگی اور ایسا عظیم المرتبت مقصد پیش نظر! بھلا کیسے گوارہ ہو سکتا تھا کہ پہلا مرحلہ طے ہو جانے کے بعد ایک دن بھی اس مقام میں ٹھہرا جاتا۔ زندگی جوئے رواں کا نام ہے۔ اس میں پیچھے ہٹنا تو ایک طرف کسی ایک مقام پہ ٹھہر جانا مومن کی شان سے بعید ہے۔ چہ جائیکہ وہ ذات گرامی ص جس کے نقوش قدم سے پامال ذرّوں میں ایمان کے سورج چمکتے ہوں۔ حضورؐ کا کسی مقام پر ایک دن کے لئے رک جانا۔ زمانہ کی ترقی کو ہزار سال پیچھے ڈال دینا تھا۔ آپ آگے بڑھے اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ اس دوسرے مرحلہ کی دس سالہ زندگی میں مرحلۂ اوّل کی تیرہ سالہ کوششوں کے نتائج کس طرح تابناک ستاروں کی طرح چمکے اور درخشندہ موتیوں کی طرح برسے مرحلۂ اول تخم ریزی کا زمانہ تھا۔ اور مرحلۂ ثانی موسم درو۔ "کزرعٍ اخرج شطئہ ...." (۴۸/۲۹)

"اس ننھے سے بیج کی طرح جو پہلے ایک نرم و نازک سوئی کی طرح زمین سے نکلے۔ پھر اس میں قوت پیدا ہوتی چلی جائے۔ تو ایک لہلہاتے پودے کی شکل میں سرفراز ہو۔ پھر اور تقویت حاصل کرے تو ایک بلند و بالا تناور درخت کی صورت میں جلوہ طراز ہو۔ جس کی نزہت و شگفتگی اور برگ و بار کو دیکھکر اس جنت ارض کا باغبان فرطِ مسرت میں جھومنے لگے اور مخالفین اپنے غصہ کی آگ میں جلتے رہیں"

ساری کامیابیوں کا راز اسی میں ہے کہ اس امر کا صحیح صحیح اندازہ کیا جائے کہ پہلا مرحلہ کب اور کہاں ختم ہوا۔ اور دوسرا کہاں سے شروع ہوگا۔ جیساکہ ہم نے شروع میں لکھا ہے کہ جس طرح مرحلۂ اوّل کی تکمیل کے بغیر مرحلۂ ثانی میں قدم رکھ دینا ہلاکت کا موجب ہے۔ اسی طرح مرحلۂ اوّل کی تکمیل کے بعد آگے نہ بڑھنا بھی تباہی کا باعث ہے۔

ہمیں ہندوستان کی بڑی بڑی جماعتوں سے کچھ زیادہ سروکار نہیں۔ سروکار ہے تو فقط اتنا کہ جو ہمارے نزدیک قرآنی معیار کے مطابق برسرِ حق ہے۔ اس کی تائید ضروری اور جو باطل کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس کی تردید لابد ہے۔ کہ اوّل الذکر اگر برّ و تقوی سے تعاون ہے تو ثانی الذکر اثم و عدوان سے تبرّی و بیزاری ۔ وہ امر بالمعروف کی شق میں داخل ہے۔ تو یہ نہی عن المنکر کے فریضہ میں شامل۔ ہمیں تو خود یہ دیکھنا ہے کہ جس چھوٹے پیمانہ پر ایک مقصد عظیم کو لے کر ہم اُٹھے تھے۔ اس میں ہم کس مرحلہ میں ہیں۔ کیا ہمارے مرحلۂ اول کی تکمیل ہو چکی ہے؟ اگر ہو چکی ہے تو پھر اس منزل میں ایک دن کا مزید قیام "اولٰئک حبطت اعمالھم"[1] میں لے جانے والا ہے۔ اور اگر اس مرحلہ کی تکمیل میں ابھی خامی ہے تو پھر کسی اگلے قدم کا خیال "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ"[2] کی تہدید کا مورد۔

---

[1] یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں [2] اپنے آپ کو دیدہ و دانستہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس امر کے جائزہ کے لئے ہم نے اس مختصر سی اسکیم کا اظہار ضروری سمجھا تھا۔ جو گذشتہ اشاعت کے لمعات میں آپ کے سامنے آچکی ہے۔ یعنی کام کرنے والے نوجوانان ملت اور اُن کی ضروریات زندگی کی کفالت کا ذمہ لینے والے صاحبان ثروت میں باہمی رابطہ کی تخلیق اور اول الذکر جماعت کے لئے لائحہ عمل کی تجویز۔ غور کیجئے۔ کہ ہم کن مراحل سے گذر کر اس اسکیم تک پہونچے ہیں۔ حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد قوم ایک بے سری فوج یا یتیموں کا ڈیرہ بن کے رہ گئی تھی اللہ تعالیٰ کی عاجز نوازیوں نے قوم کی اس بیکسی پر ترس کھایا اور اس نے بساط سیاست کے ایک دیدہ ور مہرہ باز کے زاویۂ نگاہ کو جانب کعبہ پھیر دیا اور وہ قوم کو آہستہ آہستہ اسی نصب العین کی طرف لے چلا۔ جس کا خاکہ حضرت علامہ علیہ الرحمۃ نے ۱۹۳۰ء میں اپنے الہ آباد کے مشہور خطبہ میں قوم کے سامنے رکھا تھا۔ مبداء فیض کی کرم گستریوں سے یہ اعزاز طلوع الاسلام کے حصہ میں آیا کہ وہ اس حیات بخش پروگرام کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئیں۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد ترجمان ہے۔ کانگرس ترجمان نہیں ہے۔ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں۔ متحدہ قومیت فریب ہے۔ مغربی انداز جمہوریت مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ مسلمان کسی قوم کا غلام نہیں رہ سکتا۔ اسے اپنی حکومت آپ قائم کرنا ہے۔ اس حکومت کے قیام کی صورت ملک کی تقسیم ہے اسی کا نام پاکستان کی اسکیم ہے۔ جس کا منتہیٰ حکومت الٰہیہ کی تشکیل ہے۔

غور فرمائیے کس طرح درجہ بدرجہ۔ قدم بقدم۔ منزل بہ منزل یہ "رہبر فرزانہ" قوم کو اس عظیم الشان نصب العین کی طرف کھینچ کر لا یا ہے۔ طلوع اسلام کے حصہ میں یہ شرف تھا کہ اس سلسلۂ زریں کی مختلف کڑیوں کو کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کرے۔ اور ان کے خلاف اعتراضات کا جواب دے۔ تاکہ ذہنوں کی دنیا اور قلوب کی کائنات بھی ساتھ ہی ساتھ ہموار ہوتی چلی جائے۔ مارچ سال رواں میں لاہور میں مسلم لیگ نے اپنے اس نصب العین کا اعلان کر دیا۔ اور "طلوع اسلام" نے "جہان نو" کی اشاعت سے اس حد تک اپنے فریضہ کی

تکمیل کردی۔ "وَذٰلِكَ بِفَضْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْم"۔

اب اس کے بعد کیا؟ نصب العین سامنے آگیا۔ اس کی مختلف کڑیاں ایک ایک کرکے دیکھی اور پرکھی گئیں۔ ریب و تشکک کی خار دار جھاڑیاں راستہ سے صاف ہو چکیں نصب العین کی حقانیت بے نقاب ہو گئی۔ صحت مقصد کا یقین محکم ہو گیا۔ تو پھر اس کے بعد کیا؟ ظاہر ہے کہ اس کے بعد اس نصب العین کے حصول کے لئے عملی جد و جہد ہونی چاہیئے۔ قدم مرحلۂ ثانی کی طرف اٹھ جانے چاہئیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مرحلۂ اوّل کی تکمیل کا یقین ہو جائے اپنی قوتوں کا پورا پورا جائزہ لے لیا جائے۔ مسلم لیگ کی مشکلات کا ہمیں علم ہے۔ ایک مسٹر جناح اور ان کے چند مخلص ساتھی۔ باقی اعضائے معطل یا مار ہائے آستین۔ ہماری اسکیم یہ ہے کہ سینہ میں دل۔ دل میں تڑپ اور سر میں دماغ اور دماغ میں سیاسی بصیرت رکھنے والے نوجوان آگے بڑھیں اور اس مفلوج و منافق طبقہ کو پیچھے دھکیل کر کشتئ ملت کے چپو اپنے ہاتھ میں لیں۔ تاکہ اس کے بعد "بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا"، کہہ کر اس کا لنگر اٹھا دیا جائے۔ اور "انی ذاھب الی اللہ" کے نعرۂ سرمدی کے ساتھ یہ قافلہ عازم منزل ہو جائے۔

اس ایک ماہ میں ہماری درخواست پر لبیک کہنے والوں کی جو صدائیں ہم تک پہنچی ہیں۔ وہ حوصلہ شکن بھی ہیں۔ اور امید افزا بھی۔ امید افزا اس لئے کہ جس دور سے ہم گذر رہے ہیں اس میں مخلص کام کرنے والے نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ اس لئے ایسے بے برگ و گیاہ لق و دق صحراؤں میں کہیں دو چار سرسبز پودے بھی نظر آجائیں تو ان ہی کو نخلستان سمجھنا چاہیئے۔ لیکن حوصلہ شکن اس لئے کہ دنیا جس برق رفتاری کے ساتھ انقلاب کی آماجگاہ بن رہی ہے اس کے پیش نظر ملی سرفروشوں کی یہ کساد بازاری سخت روح فرسا اور ہمت شکن ہے۔ ہم محو حیرت ہیں ؎

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

ہم اس حقیقتِ نفس الامری کو ایک مرتبہ پھر دہراتے ہیں کہ جس دور سے ہم آج گذر رہے ہیں۔ وہ دور بے حد نازک ہے۔ یوں تو ابلیس کی تخلیق بھی آدم کے ساتھ ہی ہوئی تھی اور شرار بولہبی چراغ مصطفویؐ سے شروع سے چشمک زن ہے لیکن جس بے بسی میں ابن آدم اور جس شوکت وجلال میں طاغوتی قوتیں آج ہیں۔ جس شعلہ سامانی کا حامل شرار بولہبی اور جس طوفان باد و باراں میں محصور چراغ مصطفویؐ اس دور میں ہے۔ اس سے پیشتر اس کی نظیر نہیں ملتی اس وقت یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک لمحہ کی غفلت ہمیشہ کے لئے محمل لیلےٰ کو نظر سے اوجھل کر دے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جس وقت یہ سطور سپرد قلم کی جا رہی ہیں اور جس وقت یہ آپ کا شرفِ مطالعہ حاصل کریں گی۔ اس وقفہ میں دنیا میں کیا سے کیا انقلابات آ چکے ہوں گے۔

کل ہی ایک جواں ہمت۔ جوان بخت نوجوان ہماری درخواست کے جواب میں ہمارے ہاں پہنچا اس نے کہا کہ میں نے امسال۔ ایم۔ اے۔ کیا ہے۔ اقربا میرے لئے لاّ (قانون) کی تعلیم تجویز کرتے ہیں۔ لیکن میں نے کہا کہ جس تین سال میں میں قانون کے نصاب سے فارغ ہوں گا معلوم نہیں دنیا میں کونسا قانون رائج ہو گا۔ اس لئے مجھے اس "قیامتِ موجود" کے لئے کوئی نامۂ عمل مرتب کرنے دیجئے۔ اس نوجوان کی بصیرت نے حوادثِ زمانہ کا صحیح صحیح اندازہ لگایا ہے۔ حالت آج واقعی یہی ہے۔ تو پھر ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے بعد اور کونسا وقت آئے گا۔ جب سونے والے جاگیں گے اور جاگنے والے اٹھیں گے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے

ہماری درخواست کے جواب میں جن نوجوانوں نے اپنے آپ کو وقفِ ملت کر دینے کے لئے پیش کیا ہے۔ ان میں بی اے سے کم کوئی نہیں۔ "فالحمد للہ علےٰ ذالک" لیکن جیسا کہ ہمیں نظر آتا تھا ارباب دولت کی طرف سے بہت کم حرکت ہوئی ہے۔ کس قدر رنج وندامت کا مقام ہے کہ بازارِ مصر میں یوسف موجود ہیں اور بہت کم داموں پر بکنے کے لئے تیار لیکن

اس جنس گرانمایہ کا خریدار کوئی نہیں۔ ہم ان صاحبان دولت و حشمت کو کھلے کھلے الفاظ میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ جو طوفانی انقلاب آسمان پر منڈلا رہا ہے۔ اس کے سامنے دولت کے ڈھیر خس و خاشاک کی طرح بہ جائیں گے۔ ایسے مواقع پر دولت کو سمیٹ رکھنا اور ان خزائن و دفائن کے دروازے قوم کے لئے نہ کھول دینا۔ قرآن کریم کے نزدیک خودکشی ہے۔ "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ" کے سیاق وسباق پر نگاہ دوڑائیے۔ اس کی یہی تفسیر ہے۔ اس لئے اگر یہ لوگ اس آنے والی ہلاکت سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ملت کو اپنی دولت کا اپنے سے زیادہ امین سمجھیں۔ بالآخر ایسے مواقع پر چوکیدار بھی تو ملازم رکھے جاتے ہیں۔ اگر اس صرفہ سے قوم تمہاری پاسبانی کرے تو کہو یہ کونسا گھاٹے کا سودا ہے! لیکن مصیبت یہ ہے کہ سونا چاندی جمع کرنے والوں کے دل بھی گوشت اور خون کے حساس ٹکڑے نہیں رہتے۔ جمادات کی محبت سے خود بھی جامد ہو جاتے ہیں۔ اُن کے نفع کی بات بھی ان کے اندر نہیں اترتی بہرحال مستثنیات بھی ہر کلیہ کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ان ہی پتھر کے ڈھیروں میں چمکتے ہوئے گہر ریزے بھی مل جاتے ہیں اور یہی ہماری اس اپیل کے مخاطب ہیں۔ اسی دوران میں ایک اسلامی ادارے نے بھی دست تعاون بڑھایا ہے اور اس تجویز سے اشتراک عمل کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس باب میں اور کہاں کہاں سے لبیک کی آوازیں اٹھتی ہیں۔

---

(۲)

مسئلہ خاکساران نے اس ماہ پھر ایک نمایاں کروٹ لی ہے۔ خوشی ہوئی کہ مسلمانوں کے دل کی دھڑکن کی بالآخر حکومت پنجاب کے ارباب حل وعقد کے سمع مبارک تک رسائی ہوگئی اور انہوں نے محسوس کیا کہ اتنے بے گناہ، مظلوم مسلمانوں کو یوں قید و بند کی مصائب کا تختہ بنائے رکھنا ٹھیک نہیں۔ چنانچہ اس قسم کے کچھ احکامات جاری ہوئے ہیں کہ جو خاکسار تشدد کے مجرم نہیں انہیں رفتہ رفتہ رہا کر دیا جائے۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

لیکن سب سے اول تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ "رفتہ رفتہ" رہائی کے کیا معنے ؟ حکومت کی مشینری میں "رفتہ رفتہ" کی رفتار بعض اوقات مخرام کی صورت اختیار کرلیا کرتی ہے ۔ جب حکومت نے محسوس کرلیا کہ خاکسار بیچارے نہ ہٹلر کے جاسوس ہیں ۔ نہ مسولینی کا پانچواں کالم ۔ تو پھر ان کی بیک وقت رہائی سے کون سا خطرہ لاحق ہو جائے گا ۔ ان مظلوموں پر پہلے ہی کچھ کم سختیاں نہیں ہوئیں ۔ اب بتدریج رہائی کے جانگداز مراحل اور بھی صبر آزما ہونگے ۔ ہم اربابِ حکومت کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ ان بیچاروں کی حالت پہ رحم کیا جائے ' اور انہیں اپنے بال بچوں میں جانے کی اجازت دی جائے ۔ یہ خاکسار نہ تو ایسی جائدادوں کے مالک ہیں ۔ کہ انکے گزارے مستقل طور پر چل رہے ہیں ۔ نہ ہی حکومت نے ان کے پس ماندگان کی روٹی کا کوئی انتظام کر رکھا ہے ۔ انہیں کیا معلوم کہ مزدوری پیشہ خاکسار کا ایک ایک دن جیل میں رہنا ۔ اس کے پس ماندگان کے لیئے کس قیامت کا سامنا کر رہا ہے ۔ اسلیئے انہیں جتنی جلدی رہا کر دیا جائے اچھا ہوگا ۔

پھر ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکے کہ خاکساروں میں تشدد اور عدم تشدد کا امتیاز کیا معنے رکھتا ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ خاکسار ایک نظام کے متبع اور ایک ادارہ کے فرمانبردار ہیں ۔ جنھوں نے حفاظت خود اختیاری میں تشدد برتا انہوں نے بھی اس نظام کے احکام کی تعمیل میں ایسا کیا اور جو عدم تشدد پر کاربند رہے ۔ انہوں نے بھی اپنے ادارہ کے احکام کی تعمیل میں ایسا کیا ۔ نہ پہلوں کا کوئی فعل ذاتی ہے نہ دوسروں کا کوئی عمل انفرادی ۔ جب حکومت نے اس نظام اور ادارہ سے قانونی پابندیاں اٹھالی ہیں تو سیدھی بات تو یہی نظر آتی ہے کہ تمام کے تمام خاکساروں کو رہا کر دیا جائے ۔ نظام سے صلح اور متبعین نظام سے مخاصمت ۔ اس میں تو کوئی ربط نظر نہیں آتا کیا حکومت اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کی زحمت گوارا فرمائیگی ؟

اور اس سلسلہ کی تیسری اور اہم کڑی تو ہم عامیوں کے فہم سے بہت ہی بالاتر ہے ۔ یعنی نظام خاکسار سے قانونی پابندیاں بھی اٹھا دی گئیں ۔ اور عدم تشدد کے مجرم خاکساروں کی رہائی کے احکامات بھی صادر ہو گئے ۔ لیکن تحریک کے قائد علامہ مشرقی ایدہ اللہ بنصرہ ۔ ابھی تک محبوس ! اور سب کچھ چھوڑیئے ' انہوں نے تو کہیں تشدد نہیں برتا ! وہ تو "عدم تشدد کے مجرمین" کے زمرے میں آسکتے ہیں ۔ عدم تشدد کے مجرم عام خاکساروں کی رہائی اور اس قسم کے بڑے خاکسار پر قید کی پابندیاں ! یہ کون سا قانون اور کہاں کی معدلت گستری

ہے؟ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ علامہ مشرقی کی طرف سے پچاس ہزار سپاہی اور حکومت کے طیارہ فنڈ میں ایک لاکھ روپیہ کی پیش کش کے اعلانات بڑی شدومد سے ہو رہے ہیں۔ ان اعلانات کو ریڈیو پر نشر کیا جا رہا ہے۔ گویا خود حکومت کے نزدیک یہ چیزیں ایسی ہیں جنکا عام اعلان ہونا ضروری ہے۔ یہ خیالات ایسے اہم ہیں کہ انہیں یوں تمام دُنیا میں آزادی سے نشر کیا جائے۔ لیکن ان خیالات کا حامل انسان ایسا خطرناک کہ اسے ویلور کے جیلخانہ میں بند رکھا جائے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

کیا ہم توقع کریں کہ حکومت اپنے اس فیصلہ پر بھی مزید غور فرمائیگی! انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ علامہ مشرقی کی اس قید سے کروڑوں مسلمان دل گرفتہ ہیں۔

---

(۳)

یوں تو نشر و اشاعت کا ہر ذریعہ اپنی اپنی جگہ پر اہم ہے۔ لیکن اس باب میں جو اہمیت ریڈیو کو حاصل ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔ یہ وہ ذریعۂ ابلاغ و تبلیغ ہے جس سے آپ بیک وقت ساری دُنیا کو مخاطب کر سکتے ہیں۔ اور اپنے مخالفین کے قلب و دماغ پر براہ راست اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان کے ریڈیو میں اسلامیات کا پروگرام بھی رکھا جاتا ہے۔ لیکن اس پروگرام کے ذریعہ جس قسم کا اسلام پیش کیا جاتا ہے۔ صحیح اسلامی احساس رکھنے والے ہم سے متفق ہونگے کہ اس قسم کے "اسلامی پروگرام" براڈ کاسٹ نہ کئے جائیں تو اسلام کے حق میں بہتر ہے۔ ہم نے اس امر کا احساس کیا اور اس مسئلہ کو ریڈیو کے ارباب حل و عقد کے سامنے پیش کیا ہے۔ چونکہ یہ معاملہ ابھی زیر غور ہے۔ اور ریڈیو کے ارباب بست و کشاد کی طرف سے ابھی اس کی اجازت موصول نہیں ہوئی اس لیئے ابھی ہم اس مسئلہ کی تفصیلات شائع نہیں کر سکتے۔ اُمید ہے کہ آئندہ اشاعت تک ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ ہم اس کی تفصیلات شائع کر سکیں۔ ان سے آپ اندازہ فرما سکیں گے کہ ہم نے کس زاویۂ نگاہ سے اس اہم موضوع پر بحث و تنقید کی ہے۔

لیکن اسے حسن اتفاق کہئے یا محکمۂ ریڈیو کی بصیرت کہ اس ماہ انہوں نے اسلامی پروگرام میں ایک نہایت خوشگوار تبدیلی کر دی۔ یعنی لیلۃ القدر اور عید کی تقریب پر جناب پرویز صاحب اور حضرت علامہ اسلم جیراجپوری کو تقاریر کی دعوت دی۔ ان حضرات کی تقاریر با اجازت ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو دہلی اشاعت زیر نظر میں شائع کی جاتی

ہیں۔اگرچہ ان حضرات کی اصلی تقاریر میں محکمہ نے اپنے مصالح اور مقتضیات کے پیشِ نظر ترمیم و تنسیخ کر دی تھی لیکن اسکے باوجود جو تقاریر براڈ کاسٹ ہوئی ہیں۔ان سے آپ اندازہ فرما سکیں گے کہ یہ تبدیلی کس قدر عمدہ نتائج کی آئینہ دار ہے۔اس تبدیلی کا صحیح صحیح اندازہ آپ اسوقت لگا سکیں گے جب آپ اس امر کو پیشِ نظر رکھیں کہ اس سے پیشتر عام طور پر ان تقاریر میں کس قسم کی تقاریر براڈ کاسٹ ہوا کرتی تھیں۔وہی زلف محبوب کی سی نرم و نازک سوئیاں اور وہی شب بارات کے تر بتر حلوے۔وہی اسرائیلیات کے افسانے اور ان افسانوں کے اسلام سوز اثرات۔ ان کے برعکس زیرِ نظر تقاریر میں جس دلکش انداز سے اسلام کے صحیح زاویہ نگاہ کی نمائندگی کی گئی ہے وہ کسی تبصرہ کی محتاج نہیں۔اور ایسا ہونا کچھ تعجب انگیز نہیں۔آج ہندوستان میں ان ہر دو حضرات کا نام صحیح اسلام فہمی کی ضمانت ہے۔ہم محکمۂ ریڈیو کو انکے اس حسنِ انتخاب پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

محکمہ ریڈیو کے لیے ایک بڑی دشواری یہ ہے کہ مسلمان انہیں بتاتے نہیں کہ وہ کس قسم کا اسلامی پروگرام چاہتے ہیں۔برادرانِ وطن کی یہ حالت ہے کہ وہ پریس کے ذریعہ مختلف انجمنوں اور جماعتوں کی وساطت سے اور انفرادی طور پر خط و کتابت کی بھرمار سے محکمہ کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ ان کی مرضی کے مطابق پروگرام شائع کرے۔لیکن مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ ان امور سے کبھی دلچسپی نہیں لیتے۔نتیجہ یہ کہ ریڈیو والوں کو معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ مسلمان چاہتے کیا ہیں؟ اگر آپ ہم سے متفق ہیں کہ ریڈیو پر اسلامی پروگرام کے سلسلہ میں جو کچھ براڈ کاسٹ ہو وہ صحیح اسلام کی تصویر ہونی چاہیئے تو ایسا نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے۔آپنے تقاریر زیرِ نظر ریڈیو پر سنی ہونگی اگر سنی نہ ہوں تو اُن کا مطالعہ فرمالیجئے۔اسکے بعد اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ کا جاری رہنا ضروری ہے تو

اسٹیشن ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو دہلی

کے نام خط لکھیئے اور انہیں بتایئے کہ آپ اس قسم کی تقاریر چاہتے ہیں۔اگر ریڈیو کا اسلامی پروگرام انہی خطوط پر متشکل ہو جائے تو آپ دیکھیں گے کہ یہی ذریعۂ نشر و اشاعت جو آج محض ذہنی تفریح کا موجب ہے کیسے عمدہ نتائج پیدا کرتا ہے۔ واضح رہے کہ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ **کون** براڈ کاسٹ کرتا ہے غرض اس سے ہے کہ **کیا** براڈ کاسٹ ہوتا ہے۔

یہ پرچہ کچھ دنوں کی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔اسوجہ سے کہ مذکورۃ الصدر تقاریر کا شائع کیا جانا ضروری سمجھا گیا اور یہ تقاریر براڈ کاسٹ ہونے کے بعد ہی حاصل کی جا سکتی تھیں۔ہم محکمۂ ریڈیو کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ان کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرما کر ان کی افادیت کے حلقہ کو اور وسیع کرنے کا موقع بہم پہونچایا۔ہمیں توقع ہے کہ اشاعت میں چند دنوں کی تاخیر سے آپکو جو قلبی کاوش ہوئی ہے۔یہ تقاریر اسکا بہترین مداوا ثابت ہوں گی۔

کچھ خاکساروں سے

برادرانِ عزیز! گذشتہ سات آٹھ ماہ سے تم[1] جس ابتلاء و آزمائش کی سنگلاخ وادیوں سے گذر رہے ہو وہ کون مسلمان ہے جس کا دل اس سے متاثر اور جس کی آنکھ پرنم نہ ہوئی ہو کسی اور سے تو خیر ہمیں کیا غرض ۔ اسی مصائب و آلام کے سفر میں طلوعِ اسلام کے دل کی دھڑکن تمہارے ہر ہر قدم کے ساتھ اور اس کی دعائیں تمہارے شورِ سلاسل سے ہم آہنگ تھیں ؎

قید میں یعقوبؑ نے گو، لی نہ یوسف کی خبر
دونوں آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

ہم نے اس دوران میں تمہارے متعلق جو کچھ لکھا اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں ۔ وہ ہمارا فریضہ تھا جو اپنے قلبی احساس کی بنا پر ادا کیا گیا ۔ البتہ بعض باتیں ایسی بھی تھیں جنھیں ہم خصوصیت سے تمہارے گوش گذار کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں دانستہ حالات کے کچھ بہتر ہونے تک ملتوی کرتے چلے آ رہے تھے ۔ اب کہ تمہاری زنجیر و رسن کے بند کچھ ڈھیلے ہوتے ہیں ۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم سے کھلے کھلے انداز میں کچھ باتیں کرلیں ۔ ایسی باتیں جن سے مقصود سابقہ تجربات کی روشنی میں مستقبل کے خطرات سے حفاظت ہے نہ کہ تمہارے زخموں پر نمک پاشی ۔ کہ تمہارے زخم خود ہمارے قلبِ حزیں کے ناسور ہیں ۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ شَہِیْد

ہنگامی مصائب و آلام اور وقتی ابتلایات و تمحیص کا دور بیت گیا ۔ اس دوران میں چرخِ نیلی فام کے نیچے تمہاری جماعت کے افراد کی زندگی بلکتی رہی ۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان میں قریب قریب ہر جماعت پر یہ

---

[1] تقاضائے آدابِ معاشرت تھا کہ ہم تمہیں آپ سے مخاطب کرتے لیکن یگانگت مقتضی ہے کہ یہ تخاطب برادرانہ ہوجائے ۔ "آپ" اور "تم" میں جو باریک فرق ہے ۔ وہ اربابِ نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ ۱۲

وقت آیا لیکن تمہاری مصیبت زیادہ روح فرسا تھی۔ اور اس لئے کہ تم سب سے بڑے مقصد کے لئے میدانِ عمل میں اترے تھے۔ اس لئے تمہاری ذمہ داری بھی اتنی ہی اہم تھی۔ وہ مقصدِ عظیم جس کی خاطر تم نے سر اور دھڑ کی بازی لگائی ہے وہ اپنے پیچھے ایک عبرتناک تاریخ رکھتا ہے۔ تاریخ امم گذشتہ کے اوراق الٹ کر دیکھو تمہیں صاف نظر آئے گا کہ اہلِ حریت نے حق کی حفاظت و صیانت کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادیا۔ اپنا سب کچھ راہِ حق میں قربان کر دیا۔ اعلاء کلمۃ الحق کی پاداش میں ساحرین فرعون کو آڑا ترچھا چیر دیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ بادۂ توحید کے سرشار علی الاعلان فرعون کے جور و استبداد کو چیلنج دیتے ہوئے کہتے چلے گئے "فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا جو کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے کر گذر آخر تو اس دنیا سے ہی رشتۂ حیات منقطع کر سکتا ہے ہمیں راہِ حق میں موت کا کوئی ڈر نہیں"

دنیا جانتی ہے یہ خون رائیگاں نہ گیا آمَنَّا بِرَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ کہنے والوں کے دعویٰ کی بالآخر جیت ہوئی۔ اور أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کہنے والا مجسمۂ جور و استبداد (فرعون) اپنی تمام طاغوتی طاقتوں کے ساتھ دریائے نیل میں غرق ہو گیا "وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ" غرضیکہ جہاں بھی حق و باطل میں مقابلہ ہوا۔ انجام کار دیکھا یہی گیا کہ "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" (حق آیا اور اور اس کے آتے ہی باطل مٹ گیا۔ یقیناً باطل مٹا ہی جایا کرتا ہے)

اس قسم کے ابتلاء و آزمائش کے زمانہ میں مختلف طبائع پر مختلف قسم کا ردِّ عمل ہوتا ہے۔ وہ لوگ جن کے قدم جادۂ حق پرستی میں چٹان کی طرح محکم ہوتے ہیں ان مصائب و آلام سے ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ع

بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں، سزا کے بعد

کھرے سونے کی پہچان ہی یہی ہوتی ہے کہ جوں جوں اسے آگ کی بھٹیوں میں ڈالا جائے۔ وہ کندن ہوتا چلا جائے۔ لوہے کو فولاد بننے تک بڑی بڑی دشوار گذار وادیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ قطرہ کو گہر ہونے تک بڑے بڑے طوفان کے تھپیڑے کھانے پڑتے ہیں۔ حق پرستوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ مصائب کی سان پر چڑھ کر اور آبدار ہو جاتے ہیں:۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

لیکن ایک دوسری قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے قدم ایسی ایسی سخت آزمائشوں میں لڑکھڑا جاتے ہیں۔ ان کے دل میں تذبذب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی جماعت کو برسرِ حق ہونے پر شبہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر اس قسم کے کمزور دل افرادِ جماعت کا حوصلہ بندھانا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے قدم کی لغزش دل کی کمزوری کی وجہ سے ہو۔ منافقت کی بنا پر نہ ہو۔

جب ہمارے پاس حق و باطل کے پرکھنے کی ایک خدائی کسوٹی موجود ہے تو ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ کون مسلک برسرِ حق اور کون قدم باطل پرستی کی طرف منجر ہے۔ ہم نے تمہارے نصب العین کو اس کسوٹی پر پرکھا اور اسے حق پر پایا اسی لئے ہماری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ تمہیں اس امر کا یقین محکم ہونا چاہیئے کہ تم حق پر ہو اور حق کہتے ہی اُسے ہیں جو امٹ ہو۔ اپنی جگہ پر قائم ہو اور کسی کے مٹانے سے مٹ نہ سکے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ حق پرستوں کی جماعت کو راستہ کی کسی منزل میں بھی مشکلات کا سامنا نہ ہو۔ بلکہ خیر و شر کی جنگ میں تو افتاد کچھ ایسی ہے کہ حق پرستوں کو زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کی مصائب زیادہ حوصلہ شکن ہوتی ہیں اس لئے راستہ کی مشکلات سے کبھی یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر تم حق پر ہوتے تو یہ مواقع کیوں پیش آتے! راستہ کی مشکلات آئیں گی اور یورش کر کے آئیں گی لیکن انجام کار غلبہ اور استیلا حق کا ہوگا۔ باطل کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا راستہ کی مشکلات تمہارے لئے حق و باطل کا معیار نہیں ہونی چاہئیں۔ اپنے دعویٰ کو قرآنی معیار پر پرکھو اور اس کے برسرِ حق ہونے کی صورت میں رہگذر کے کانٹوں سے بے پرواہ مستانہ وار آگے بڑھتے جاؤ۔ انجام کار فتح تمہاری ہی ہوگی۔

اس بات کا تمہیں حق الیقین بلکہ عین الیقین ہو کہ تم حق پر ہو اور مصائب و ابتلایات بھی اس لئے آئیں کہ تم حق پر تھے۔ اب آزمائش و تجربہ کے بعد اندازہ ہو چکا ہوگا کہ تمہارے عمل میں کہاں کہاں خرابی اور تمہاری سیاست میں کیا کیا نقائص تھے۔ سوچو کہ اس راہ میں کون کون مقام پرخطر تھے اور ان خطرات سے بچنے کی کیا تدابیر ہو سکتی ہیں کہ "لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ فِی جُحْرٍ مَرَّتَیْنِ" (مومن ایک بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا)، از سرِ نو غور کرو کہ کس منزل میں خامی تھی تاکہ اس خامی کو دور کیا جا سکے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی لکھا ہے

کہ ایسی ایسی ہولناک آزمائشوں کے بعد مختلف نفسیاتی کیفیات پیدا ہوا کرتی ہیں ان میں سے شکست خوردہ ذہنیت والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ مصیبت کوئی نہیں ہے۔ اہلِ حق ہونا تو دنیا کی تمام طاغوتی طاقتوں سے جنگ مول لینا ہے۔ انبیاؑ و مرسلین علیہم السلام کی جماعتوں پر مصیبتیں آئیں اور بظاہر اس قسم کا گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ بالآخر یہ مٹھی بھر جماعت عدل و انصاف کے لئے قوتِ نافذہ حاصل کرے گی جب حضرت نوحؑ نے حق پرستوں کی مٹھی بھر جماعت کو بچانے کے لئے کشتی تیار کی تو مخالفین استہزاً کہتے تھے "اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَهٗ هُمْ اَرَاذِلُنَا" کہ جو لوگ حضرت نوحؑ کی اتباع کرتے ہیں وہ تو گھٹیا درجہ کے لوگ ہیں"۔ در اصل گھٹیا درجہ کے وہی تھے جنھیں ظلم وطغیان نے انسانیت کے مرتبہ سے گرا دیا تھا۔ بالآخر فطرت کے قانونِ مہلت نے اپنی شرط پوری کر دی۔ اور جب ظلم کی انتہا ہو گئی تو نبی کا نالۂ بیباک "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا الخ" آسمان چیر گیا۔ اہل حق طوفانِ بادوباراں سے محفوظ رہ گئے اور باطل پرست مع اپنی شان و شوکت کے غرق ہو گئے۔ یہاں تک کہ پسرِ نوح بھی کفار کے ساتھ متحدہ قومیت بناتے ہوئے انہیں کے ساتھ واصل بہ جہنم ہو گئے۔ اگر اس قرآنی واقعہ سے بھی ریب و تشکک دور نہ ہو۔ اور شکست خوردہ ذہنیت نے دل کو مردہ کر دیا ہو تو سیاسیات حاضرہ میں زندہ قوموں کی بیس سال پہلے کی تاریخ پر غور کیجئے ؎

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا — کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
سکندرانہ ادائیں قلندرانہ جلال — یہ آستین ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

وہ قومیں جنھیں اعداء نے جاں بلب مریض سمجھ رکھا تھا آج اپنی مردہ رگوں میں خونِ زندگی دوڑا کر خودی کے زور سے دنیا کی طاقتور قوموں میں شمار ہو رہی ہیں۔ تمہیں غم کس کا ہے۔ صبر و استقلال سے جادۂ حق پر گامزن رہو اور اپنے اعمالِ صالحہ کے نتائج کو احکم الحاکمین کے سپرد کر دو۔ بس یہی توکل ہے اسی کا نام لا تقنطوا ہے اسی سے مراد لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو) ہے۔ اطمینانِ قلب قلب پیدا کرو "اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ" (ہاں اللہ کی نصرت بس آیا ہی چاہتی ہے) اللہ پر

بھروسہ رکھکر میدان میں ثابت قدم رہو۔ پھر دیکھو کہ نصرت و فتح مندی کس طرح تمہارے قدم چومتی ہے۔ یاد رہے کہ غزوۂ احزاب میں اللہ والوں کی جماعت بھی کرب و بلا میں پھنس گئی تھی اور وہ بھی مستقبل کے متعلق مایوس ہونے لگے تھے۔ حَتّٰى بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا .... الخ حتیٰ کہ کلیجہ منہ کو آنے لگ گیا اور نصرت الٰہی کے متعلق تمہارے دلوں میں عجیب خیال پیدا ہونے لگے۔ لیکن جب رحمت الٰہی جوش میں آئی تو مطلع صاف تھا اور کفار کی ہوا اکھڑ چکی تھی آخر تم بھی تو اسی رحمۃ اللعالمین کے نام لیواؤں میں سے ہو۔ تم بھی تو اپنے مقاصد کی خاطر سربکف میدان میں اترے ہوئے ہو۔ تو پھر غم کیوں کرتے ہو لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (سست نہ پڑو۔ غم نہ کھاؤ۔ تم ہی نے حاکم بننا ہے۔ بشرطیکہ اسلام کے احکام پر عملاً اور نظراً تمہارا عمل رہو)

دوسری ذہنیت مذبذبین کی ہے۔ اگر اس کڑی آزمائش کے بعد انہیں اپنی تحریک کے مستقبل کے متعلق مایوسی پیدا ہو گئی ہے تو اس میں تحریک کا کوئی قصور نہیں۔ وہ اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھیں اور بتائیں کہ آزمائش سے قبل وہ کس مقصد کو لیکر اس تحریک میں شامل ہوئے تھے۔ یقیناً وہ اعلاء کلمۃ الحق کے لئے آئے تھے۔ اب انہیں سخت سے سخت تر آزمائش کے لئے عزم و ثبات پیدا کرنا چاہیئے۔ انجام کار حق غالب ہو کر رہے گا۔ اَلْحَقُّ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى پروردگار عالم نے قطعیت کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" مومنین کی نصرت و تائید کرنا ہمارا حق ہے (کیونکہ وہ میری جماعت کے کارکن ہو چکے ہیں اور میری پارٹی ہمیشہ غالب ہو کر رہے گی:" اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ اگر ان واضح براہین اور یقینی و قطعی مواعید کے باوجود ان کا تذبذب باقی ہے۔ تو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ وہ اس عظیم المرتبت تحریک سے الگ ہو جائیں۔

پھر تم میں سے جو سچے خاکسار ہوں وہ سمجھ لیں کہ ان کی یہ تحریک ہنگامی نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی سب سے بڑی تحریکات سے زیادہ پائیدار اور مستقل ہے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں کوشاں ہے اور دستوری جنگ میں ہندو اور انگریز کی بساط سیاست اُلٹ دینے میں مصروف تگ و دو۔ لیکن جس غرض کے لئے تم میدان میں آئے ہو وہ اتنی اہم ہے کہ اس کے لئے تو سے

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمانؐ

کی قسم کے مسلمان چاہییں۔ جو درحقیقت زندہ قرآن ہوں۔ کانگرس کے سامنے بظاہر ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ درپیش ہے اور اس کے حصول کے لئے وہ ہندوستان کی ان مختلف الخیال جماعتوں کو متحد کرنا چاہتی ہے جن کے سیاسی معاشرتی۔ معاشی۔ اور مذہبی نقطۂ نظر میں بعد المشرقین ہے۔ ایک ناممکن الاتحاد تضاد ہے ایک واضح منطقی تضاد موجود ہے۔ نیز حصول آزادی کے بعد آئین کس قسم کا نافذ ہوگا؟ یہی گنگا جمنی قسم کا لادینی نظام ہوگا جس میں سب متفق ہوں۔ اور جس کی طرح قومی حکومتوں میں مدت ہوئی ڈالی جا چکی ہے لیکن تمہارے سامنے تو آزادی کا نظریہ اور ہی کچھ ہے۔ ایک مومن کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ کس رنگ کس نسل۔ اور کس قومیت کی حکومت ہے۔ اسے اعتراض ہے تو اس بات پر کہ طرزِ حکومت کس قسم کا ہے۔ انسانوں کا بنایا ہوا قانون ہے یا قانون ربّ العالمین جس کے سامنے ایک عامی انسان سے لیکر بڑے سے بڑے فرعون کو بھی سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔ مومن کا خدا لاشریک ہے اور وہ قانون بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا نافذ کرنا چاہتا ہے ؎

باطل دوئی پسند حق لاشریک ہے　　شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

جب تمہارا نصب العین ایسا محکم اور اٹل ہے تو تمہیں عارضی تعویقات سے دل شکستہ نہ ہونا چاہیئے دنیا میں لاکھ سیاسی مدوجزر ہوں کئی انقلابات آجائیں۔ دانش حاضر کی فسوں کاری کا طلسم ٹوٹ جائے ہوا کے جھکڑ چل جائیں۔ سیارے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں۔ پہاڑ۔ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگ جائیں لیکن تم اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ جب تک دنیا میں ایک متنفس بھی باقی ہے۔ تمہاری ذمہ داری نہیں اٹھ سکتی۔ بلکہ جب تک نزعے کے اندر سانس کی خرخراہٹ کی آواز آرہی ہو تم پر توحید و رسالت کی شہادت دینا فرض ہے لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (تمہیں چاہیئے کہ تادمِ مرگ اللہ تعالےٰ کے کامل وفادار و فرمانبردار بندے بنے رہو) بعث بعد الموت میں بھی تم اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ قیامت میں بھی تم نے شہداء علی الناس (لوگوں پر نگراں) بننا ہے۔ غور کرو کہ تمہاری تحریک کس قدر ہمہ گیر اور کس قدر ابدی ہے،

اسے ہنگامی کہنا روح تحریک کے خلاف بغاوت کرنا ہے دنیا کی کوئی تحریک تمہارا لگا نہیں کھا سکتی۔ اشتراکیت کی خامیاں علیٰ رؤس الاشہاد ظاہر ہو گئی ہیں۔ کیونکہ ؎

نظام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکنی میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

دوسری نئی نئی تحریکات بھی نظام عالم کی گتھی سلجھانے سے عاجز آ چکی ہیں۔ سب ہنگامی تحریکات ہیں کسی کو بقا نہیں۔ دنیا کو بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ "فتنہ فردا" کی نمود کہاں سے ہے ؎

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

تمہاری جماعت جس کی عمارت حقائق ابدی کی بنیادوں پر استوار ہے۔ ایک زندہ و پائندہ جماعت ہے

میانِ امتاں والا مقام است — کہ آں امت دو گیتی را امام است
نیاساید ز کشش از آفرینش — کہ خواب و خستگی بر وے حرام است

لہٰذا اس خیال کو دماغ سے نکال دو کہ تمہاری جماعت ایک ہنگامی مقصد کے لئے ظہور میں آئی ہے۔

دنیا میں استیلاء اور غلبے کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں (۱) ذہنی استیلاء (۲) مادی استیلاء۔ وہ قوم جو ذہنی طور پر غالب ہوا کرتی ہے۔ مادی استیلاء اس کے سامنے کچھ وقعت نہیں رکھتا اور وہ قوم جو مادی استیلاء تو رکھتی ہے لیکن ذہنی لحاظ سے مفلس ہے۔ اس کی مثال ایک وحشی جانور کی ہے کہ وہ جنگل میں رہ کر اپنے سے کمزور مخلوق کو ستاتا رہتا ہے۔ وہ نہ تو خود شرف انسانیت اور احترام آدمیت کی صفات اپنے اندر رکھتی ہے اور نہ ہی محکوم قوم کی ذہنی سطح کو بلند کرنے کے لئے کسی قسم کی مساعی کو کام میں لا سکتی ہے۔ محکوم قوم اس جاہل حاکم قوم کی صفات تو قبول کر لیتی ہے لیکن وہ اس طرح سے خطرناک قسم کے ذہنی امراض میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لئے اپنے اوپر ذلت و مسکنت کو مسلط کر لیتی ہے۔ ہلاکو خاں نے مادی استیلاء کے زور سے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی لیکن ذہنی طور پر مفلس ہونے کی وجہ سے تیسری پشت میں

ہی ان پر اسلامی تہذیب غالب آگئی ؏

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

مسلمانوں کی جہانداری و جہانبانی کا راز سب سے اوّل ذہنی استیلاء میں تھا۔ مادی استیلاء اس کا فطری نتیجہ ہے اس حقیقت کے پیش نظر تمہارا مقصد ذہنی استیلاء ہونا چاہیئے اور جیسا کہ آپ کے لٹریچر سے ظاہر ہے آپ ایک قسم کا ذہنی انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اس وقت ضرورت بھی اس امر کی ہے کہ مسلمان کو اسلام کے صحیح نصب العین سے آگاہ کیا جائے۔ اسلام کے حیات بخش پروگرام پر اس قدر عجمیت غالب آچکی ہے کہ صحیح اسلام موجودہ مسلمانوں کو نہایت ہی عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔ سچ ہے۔ بدء الاسلام غریبًا وسیعود غریبًا فطوبیٰ للغرباء (حدیث) اسلام ابتداء میں بھی دوسرے ادیان سے بالکل مختلف و متضاد ہونے کی وجہ سے اجنبی معلوم ہوتا تھا اور آئندہ دور میں بھی جبکہ اس کے متعلقین جادۂ حق سے منحرف ہو جائیں گے ان مسخ شدہ ذہنیت رکھنے والوں کو اسلام کا نظام حیات اوپرا بیگانہ سا نظر آئے گا۔ پس خوشخبری ہو اس وقت اسلام کے نظام پر چلنے والوں کو کہ حقیقت میں وہی " اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ " ہوں گے

ہماری اپنی غفلت اور "حامیان شرع متین" کی جامد ذہنیت کی بدولت عقائد اسلام کی سطح پر غیر اسلامی تصورات کی ایک موٹی تہ جم چکی ہے۔ ارکان اسلام محض مراسم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور توحید و رسالت کا عقیدہ جو کسی زمانہ میں ایک زندہ قوت تھا اب منطقی بحث و تمحیص کی جولانگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ اور اب اسلام کے متعلق بھی "مہذب" دنیا میں یہ خیال پھیلایا جا رہا ہے کہ وہ زندگی کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہے اور عملی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اسلام کے دیگر شعائر و مناسک کے متعلق بھی دور از کار تاویلات پھیلائی جا رہی ہیں اور اب بھی "ابلیس" اس ملت کو تھپکیاں دے کر سلا رہا ہے اور کہتا ہے ؎

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام — چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے — یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

مسلمانوں کی تاریخ میں افراط و تفریط کے خلاف خالص اور صحیح اسلام پیش کرنے کے لئے ہر دور میں

قلندرانہ تحریکات چلتی رہی ہیں۔ محدثین و متکلمین کی آویزش اور ازاں بعد متکلمین کی باہمی سرپھٹول ماموں الرشید عباسی کے دور میں فتنۂ خلق قرآن اور اس طوفان میں امام بن حنبلؒ کا بحر العقول عزم و ثبات۔ اس کے بعد منطق و علم کلام کے غیر اسلامی اثرات کو کالعدم ٹھیرانے کے لئے علامہ ابن تیمیہؒ کی مبارک تحریک۔ نجد میں وہابی تحریک کا آغاز و ارتقا میں مہدئ سوڈانیؒ اور شیخ سنوسیؒ کی سرگرمیاں۔ ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے غیر اسلامی تصورات کے خلاف مسلسل و پیہم جہاد اور حضرت علامہ سید جمال الدین افغانیؒ کی تحریک اتحاد عالم اسلام (Pan-Islamism) وغیرہ اس دعوے کا زندہ ثبوت ہیں کہ ہر آڑے وقت میں مسلمانوں کے اندر ایک ذہنی انقلاب کی رو تیز گام رہی ہے۔ موجودہ دور میں اللہ کے فضل و کرم سے حضرت علامہ اقبالؒ مرحوم کی تعلیمات کی روشنی میں غیر محسوس طور پر نوجوان طبقہ میں ایک ذہنی انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا اثر سیاسیات تک بھی جا پہنچا اور پاکستان' کی مبارک و سعود سکیم عملاً مسلمانوں کے سامنے آگئی لیکن ابھی اس انقلاب کے نقوش دھندلے اور اس کے اثرات غیر محسوس ہیں۔ اور اس کے خلاف متخاصم قوتیں پوری مستعدی سے عمل پیرا ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس پریشانیٔ فکر و نظر کے سیلاب بلا انگیز میں حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کا وہ نعرہ بلند ہو جو صدیوں پہلے حضرت فاروق اعظمؓ کی زبان فیض ترجمان سے بلند ہوا تھا۔ آج مسلمانوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ براہِ راست قرآن کریم کو سمجھیں۔ (بیچ کے لات و منات کو توڑ دیں۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ[1] کے شرک جلی سے بچ جائیں۔

(جس چیز کو ان کے علماء حرام کہتے ہیں یہ اسی کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور جس چیز کو وہ حلال کہہ دیتے ہیں۔ یہ اسی کو حلال سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ جو ان کی اندھا دھند پیروی کرنے لگ جائے وہ ان کے نزدیک ایماندار ہے اور جو مخالفت کرے اسے کافر مردود قرار دیتے ہیں۔ (بحوالہ حدیث حضرت عدیؓ۔ استفسار درباره شرک نصاریٰ)

اس میں شبہ نہیں کہ تم نے اس عظیم الشان مقصد کا بیڑا اٹھایا ہے۔ لیکن تمہارے طریق کار میں

---

[1] ان (نالائقوں نے) اپنے مولویوں اور پیروں کو اللہ تعالیٰ کی بجائے اپنا رب بنا لیا ہے۔

ایک غلطی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم بالعموم ہر جگہ عمل جراحی سے کام لیتے ہو۔ بے شک مولوی کا مذہب غلط ہے بلکہ مولویت (Priesthood) ہی سرے سے غلط ہے۔ اسلام میں مولویت کوئی چیز نہیں ہے اس کے متبعین کے صرف دو ہی نام ہیں مسلمین اور مومنین۔ اس کے علاوہ ہر دوسرا نام بدعت ہے۔ اور بدعت بھی سیئہ۔ بلکہ اس قسم کی گروہ بندی اور مطیع و مطاع کی تقسیم فِتْنَةٌ لِلْمَتْبُوْعِ وَمَذِلَّةٌ لِلتَّابِعِ ہے (قول عمرؓ)، اور نظام اسلام کے لئے زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے۔

عیسائیت میں یہی چیز موجود تھی۔ پوپ اور اس کے ایجنٹ (چھوٹے مولوی) اپنی اپنی جگہ پر مجازی خدا بنے ہوئے تھے، بلکہ پوپ کو تو معصوم عن الخطاء (Infallible) سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جانتے ہو عیسائیت کا کیا حال ہو رہا ہے۔ اس وقت اس کے اپنے پیرؤں میں سے ۱۶ کروڑ نفوس نے تو خدا، مسیح اور انجیل کے مذہب کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ ہمارے مولوی بھی اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر اسلام میں کلیسا کا نظام رائج کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں اس روز بد کی طرف لیجا رہے ہیں جو عیسائیت کو دیکھنا نصیب ہوا۔ لیکن اس کا علاج یہ نہیں کہ بھڑوں کے اس چھتے میں پتھر مار دئے جائیں۔ ضرورت "مولوی" کو مارنے کی نہیں اس کی جگہ صحیح مردِ مومن پیدا کرنے کی ہے جس سے "مولوی" خود بخود مر جائے گا۔ اس کے لئے ائمہ مساجد کا پیدا کرنا اور ہر مسجد کو ایک زندہ مرکز بنانا نہایت ضروری ہے۔ اور یہی آپ کا اصلی کام ہے۔

اگر آج تمہیں پریڈ کرنے کی اجازت نہیں تو بلا سے۔ اس کے نعم البدل ہر مسجد میں نماز کے وقت درس قرآن کی صورت میں تلاش کرو۔ اخوت کا نشان بازو پر نہیں لگانے دیتے۔ نہ سہی۔ یہ ایک ظاہری امتیاز تھا۔ اب آپ کو قلبی رشتہ اخوت قائم کرنا چاہئیے۔ بنیانِ مرصوص ہو کر اپنی سیرت کو درست کر لو۔ علماء کا "مولوی" کو محبت و ہمدردی سے سمجھاؤ کہ ہم "مولوی" اور مولویت کو غلط کہتے ہیں۔ ایک عالم دین اور خادم قرآن کے تو ہم خادم و چاکر ہیں، ہم مساجد کو زندہ مراکز دیکھنا چاہتے ہیں ہم تمہارے خادم ہیں۔ دشمن نہیں۔

مساجد سے اس قسم کی صحیح اسلامی سپرٹ پیدا ہونے کے بعد تمہارے مخالف بھی سمجھ جائیں گے کہ تم کیا کہتے ہو۔ آج تمہارے نصب العین کی حقانیت میں کوئی کلام نہیں لیکن اس کے متعلق غلط فہمیاں اس قدر پھیل چکی ہیں کہ ان کا رفع کرنا نہایت ضروری ہے۔ جب غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی تو تم دیکھ لو گے کہ ایک دنیا تمہارے ساتھ

ہو گی اور تمہاری بے پناہ قوت کے سامنے ہر طاغوتی قوت خس و خاشاک کی طرح بہ جائے گی۔ تمہارا کام خواہ مخواہ مخالفتیں پیدا کرنا نہیں ہے۔ حق و صداقت کے اس مسلک کی تنقید و ترویج ہے جس کے تم علمبردار ہو اور اس کی تنفیذ و ترویج کی اولین صورت بحالات موجودہ اپنے خیالات کی عام نشر و اشاعت ہے۔ دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کرکے افہام و تفہیم ہے۔ تمہیں کسی قوت کے ساتھ ٹکرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں قانون شکنی کی حاجت نہیں۔ تم تو "دیوانہ بکردارم۔ فرزانہ بگفتارم" قسم کی ایک جماعت ہو۔ تم اپنے کام سے غرض رکھو۔ کسی سے مت اُلجھو ؂

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود

در راہ او بہار پری خانہ آفرید | نرگس دمید، لالہ دمید، یاسمن دمید

گل عشوہ داد و گفت یکے پیش ما بایست | خندید غنچہ و سر دامان او کشید

ناآشنائے جلوہ فروشان سبز پوش | صحرا برید و سینۂ کوہ و کمر درید

زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود

در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

دریائے پر خروش ز بند و شکن گذشت | از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت

یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را | از کاخ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت

بیتاب و تند و تیز و جگر سوز و بیقرار | در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت

زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود

در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

پھر ایک چیز اور بھی یاد رکھئیے۔ جب کوئی شخص تمہاری کسی فروگذاشت پر معترض ہوتا ہے تو تم بالعموم اس فروگذاشت کی مدافعت کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ تمہارا ہر قدم سہو و فروگذاشت سے معرا ہو۔ نہ تم فرشتوں کی جماعت ہو اور نہ تمہارے ارباب حل و عقد معصوم عن الخطاء ہیں۔ لہذا فروگذاشت قطعًا قابل اعتراض چیز نہیں۔ اس لئے اس سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ مسلک حق پرستی ہو تو راستے میں ٹھوکریں لگانے

سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ جب کبھی ایسا معاملہ پیش آجائے تو نہایت خندہ پیشانی سے تسلیم کرو کہ سہو ہو گیا۔ فروگذاشت ہو گئی۔ آئندہ کے لئے احتیاط کیجائے گی۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ امیر کی اطاعت تمہارا بنیادی مسلک ہے۔ اس سے کبھی بھی انحراف نہ کرو۔ لیکن یہ کبھی نہ کہو کہ امیر معصوم ہے۔ وہ بھی غلطی کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ لیکن اصولی طور پر حق بجانب ہونے کے بعد فروعات میں امیر کی غلطی کی بھی اطاعت لازم ہوتی ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ جب امام سے نماز میں سہو ہو جائے تو اس کے اس سہو کی بھی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت تو ضرور کرو لیکن اسے ہمیشہ تسلیم کرو کہ وہ سہو تھا۔ فروگذاشت تھی اس سے آئندہ سہو و فروگذاشت سے بچنے کی راہیں نکل آیا کرتی ہیں۔

پھر یہ بھی یاد رکھو کہ جب تم ایک قدم اٹھاؤ تو کم از کم آئندہ کے دس قدموں کے متعلق ہر چیز واضح۔ غیر مبہم اور صاف صاف طور پر تمہارے سامنے ہونی چاہیئے۔ اس سے نظام میں ابتری اور خلفشار کا ڈر نہیں ہوتا اپنے پروگرام کی تمام تفاصیل۔ ہر قسم کے جزئیات و فروعات کے ساتھ مرتب کر کے دیکھو اور انہیں اپنی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے دو۔ اپنی سیرت کو اسوۂ حسنہ و نبی کریمؐ کے رنگ میں ڈھالو۔ کہ اس کے بغیر دنیا کی کوئی کامیابی اسلام کی کامیابی نہیں کہلا سکتی۔

ایک بات اور! موجودہ جمہوری دور میں حکومت اور عوام کے ہر معرکہ کے اختتام پر فتح و شکست کے جانچنے کا معیار ہم غلامی پسندوں نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ کس فریق کے کتنے افراد کی جانیں ضائع ہوئیں کس کا کتنا مالی نقصان ہوا۔ جماعتی اصول کی خاطر جان دینے والوں کا خون بہا ادا کیا گیا یا نہیں۔ حکومت نے ان کے مطالبات کو کس حد تک تسلیم کیا وغیرہ وغیرہ۔ ایک غیر مسلم جس کے نزدیک کسی اصول کے مقابلہ میں انسانی جان زیادہ قیمتی ہے ممکن ہے کہ اس طریقۂ معیار کو پسند کرے۔ لیکن ایک مسلمان جس کی زندگی کا مقصد ہی ملت کے اجتماعی مقصد کی خاطر فنا ہو جانا ہو جو اس موت کو زندگی کی حقیقی منزل سمجھتا ہو۔ کیا گوارا کر سکتا ہے کہ چند خزف ریزوں کے پیچھے اپنی سرفروشی اور جانبازی کو فروخت کر ڈالے۔ اس کے نزدیک جان کی قیمت لاکھ دو لاکھ یا کروڑ دس کروڑ نہیں بلکہ خوشنودی باری تعالےٰ ہے جس کے لئے اس نے سب کچھ کیا۔ جماعت کے اراکین کا اپنے جماعتی مقصد کی خاطر قربانیاں دینا ہی اس جماعت کی اصل کامیابی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جماعت بعض

پیچیدگیوں کی وجہ سے اپنے مطالبات کو تمام وکمال تسلیم نہ کرا سکے لیکن اگر اس کے افراد نے جماعتی فرمان کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں اور اپنے جان ومال کو جماعتی مفاد کے لئے پیش کر دیا تو یہ جماعت کی ناکامی نہیں بلکہ فتح کہلائی جائے گی۔

اس کے بعد اگر ہم اتنی گذارش اور کریں کہ ؎

شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جنکا حرم سے بڑھکر

تو بیجا نہ ہوگا ہمیں توقع ہے کہ تم اپنے شہیدوں کے خون بہا کا مطالبہ پیش نہ کروگے کیونکہ یہ مطالبہ درحقیقت ان سرفروشان ملت کے جذبۂ شہادت کی اہانت ہے ؎

آہ اے مردِ مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرف لاتدع مع اللہ الٰھاً آخر

ان معروضات کے بعد ہم تمہاری ان بیش بہا قربانیوں پر تمہیں بہ صمیمِ قلب مبارک دیتے ہیں کہ تم نے آج اس گئے گذرے زمانہ میں بھی ثابت کر دیا کہ ؎

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

خاکسار شہید! تم پر اللہ کی رحمت ہو۔
خاکسار مجاہد و خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہو۔

ہلالِ عید

کوئی واقف نہیں اس رمزِ جاں سے
کہ اصلِ زندگانی ہے کہاں سے؟

بقائے جسم پر ہے منحصر جاں؟
کہ ہے قائم وجودِ جسم جاں سے؟

وہی نسبت ہے کیا تن سے رواں کو
روانی کو جو ہے آبِ رواں سے؟

ہے ترکیبِ عناصر کا نتیجہ؟
کہ ہے تخلیق اس کی لامکاں سے؟

یہ آب و گل سے پیدا ہو گئی ہے؟
کہ اُتری ہے زمیں پر آسماں سے

حقیقت کچھ بھی ہو لیکن یقیناً
نہیں ہے اصلِ جاں اس خاکداں سے

نظر وہ چاہیے جو کارواں کو
الگ دیکھے غبارِ کارواں سے

کبھی دبتی نہیں روحِ سبک سیر
کہ آب و خاک کے بارِ گراں سے

حیات اک تیغ ہے جو اپنی تیزی
بڑھاتی ہے عناصر کی فساں سے

یہ ہے ذوقِ بقا سے آشکارا
کہ نسبت ہے بہشتِ جاوداں سے

کوئی سوچے تو آخر آب و گل میں
بلندی کا شعور آیا کہاں سے؟

کہیں بھی اُڑ کے پہنچے طائرِ قدس
نظر ہٹتی نہیں ہے آشیاں سے

یہی ہے روحِ انساں کا تقاضا
نظر اونچی رہے اس خاکداں سے

ہلالِ عید کر دیتا ہے تازہ
مسلماں کا تعلق آسماں سے

(اسد ملتانی)

لیلۃ القدر

جناب پرویز صاحب کی تقریر جو ۹ ر اکتوبر کی شام کو براڈ کاسٹ ہوئی۔ اسے باجازت اسٹیشن ڈائرکٹر صاحب آل انڈیا ریڈیو۔ دہلی شائع کیا جاتا ہے۔ (طلوع اسلام)

دنیا کی کسی قوم کو لیجئے۔ سال میں کچھ دن ایسے آئینگے جن میں وہ جشن ومسرت کے تیوہار منائے گی۔ جب دُنیا میں مسلمان آئے تو اُنکے ذمہ عدل وانصاف کے پھیلانے اور جور واستبداد کے مٹانے کے ایسے اہم فرائض عائد کیے گئے کہ اُنھیں فرصت ہی نہ تھی کہ وہ اس قسم کے مسرت وشادمانی کے جشن منائیں۔ لیکن اسکے باوجود اُن کی داستانِ زندگی میں بعض واقعات ایسے تھے جنکی یاد قائم رکھنا اقوام عالم کی موت وحیات کے اُصولوں کی یاد تازہ کرنا تھا یہ اِس ملت کے تیوہار ہیں۔ اور ان تیوہاروں میں سب سے نورانی وہ۔ جس کا مطلع ہلالِ رمضان اور مقطع روزِ عید ہے۔ جس عظیم الشان واقعہ کی یاد میں یہ تیوہار منایا جاتا ہے۔ اسکی عظمت ورفعت خود بتا دے گی کہ اس تیوہار کو کتنا اہم ہونا چاہیئے۔

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رُشد وہدایت کے لیے مختلف مُلکوں اور مختلف زبانوں میں اپنے رسول بھیجے جو لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچاتے رہے لیکن خدا کے یہ پیغامات اپنی اصلی شکل میں کہیں محفوظ نہ رہ سکے۔ کہیں یہ زمانے کے انقلابات کے ہاتھوں مٹ گئے۔ اور کہیں خود انسانوں نے اپنے ہاتھوں سے ان کی صورت مسخ کردی۔ آپ ذرا تصور میں لائیے ایسے منظر کو کہ نگاہیں ذوقِ نظارہ کے لیے بیتاب ہوں۔ لیکن دُنیا سے روشنی گُم ہوجائے۔ زندگی کا مدار صاف ہوا پر ہو۔ لیکن فضا مہلک جراثیم سے بھرپور ہوجائے۔ جانِ ناتواں پیاس کی شدت سے بھڑک رہی ہو۔ لیکن پانی کے ہر چشمے میں زہر مل چکا ہو۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اگر یکایک سورج بے نقاب ہوکر سامنے آجائے۔ اِس مہلک فضا کی جگہ بادِ نسیم کے خوشگوار جھونکے نزہت ولطافت کی ہزار جنتیں اپنے جلو میں لیے۔ ایک نئی زندگی کا سامان پیدا کردیں۔ اُن زہر سے بھرے ہوئے چشموں کی جگہ ایک جوئے رواں مچلتی۔ لوٹتی۔ مسکراتی دامنِ کہسار سے تازہ وولولہ کی بشارتیں لیے بڑھتی چلی آئے۔ تو فرمایئے کیا یہ واقعہ ایسا نہیں ہوگا کہ اسکی

یا دا سوقت تک قایم رکھی جائے جب تک دُنیا میں زندگی کے قیام و بقا کے لیے نفیس روشنی۔ لطیف ہوا اور صاف پانی کی ضرورت ہو؟ یہ آفتابِ جہاں تاب۔ یہ نسیمِ حیات پرور۔ یہ کوثر و تسنیم کی جوئے رواں۔ ہمارے اللہ کا وہ پیغامِ ازلی ہے جو قرآنِ کریم کی شکل میں دُنیا کو اُسوقت ملا جب حیاتِ انسانی کے ہر شعبے پر مُردنی چھا چکی تھی اور زندگی کی تاریک رات میں اُمید کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی۔ اِسلیئے مسلمانوں کے نزدیک اس سے بڑھ کر جشن، مسرت کی تقریب اور کوئی نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (۱۰/۵۷)

"اے انسانو! تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے۔ (ایک ایسا زندگی عطا کرنے والا پیغام) آگیا جو سرتاپا نصیحت ہے۔ دل کی تمام بیماریوں کے لیے شفا۔ اور ہدایت و رحمت ہے اُن کے لیے جو اُس کی صداقتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ یہ اللہ کا فضل ہے اور اُس کی رحمت پس چاہیئے کہ اُسپر خوشی منائیں (یہ قدرت کا عطیہ) ان تمام چیزوں سے بہتر ہے، جسے یہ لوگ دُنیا میں جمع کرتے رہتے ہیں"

یہ ہے وہ نورِ مبین جس سے رمضان کے مہینے میں چشمِ انسانیت نے بینائی حاصل کی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۝ (۲:۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن کا نزول ہوا وہ قرآن جو انسانوں کے لیے راہ نما ہے۔ ہدایت کی روشن صداقتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور حق کو باطل سے الگ کر دینے والا ہے"

اور اسی پاک مہینہ میں وہ مبارک رات ہے جس میں نورِ خداوندی کی پہلی جھلک سے دُنیا کی نگاہیں آشنا ہوئیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (۹۷:۱-۵)

ہم نے اِس کتاب مبین کو عظمتوں والی رات میں نازل کیا ہے تم کیا جانو کہ یہ عظمتوں والی رات کیا ہے؟ وہ رات جو اپنی قدر و قیمت میں ہزار مہینوں سے افضل ہے جس رات میں فرشتے اور جبریلِ امیں اپنے رب کے فرمان کے بموجب امن و سلامتی کی جنت اپنے آغوش میں لیئے دُنیا پر نازل ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ دُنیا نورِ سحر سے جگمگا اٹھتی ہے "

اس مقدس رات میں اللہ تعالیٰ کے اُس ضابطۂ قوانین کا نزول شروع ہوا جسکا ایک ایک لفظ سرتاپا حق و یقین ہے وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ (۶۹ : ۵۱) جس میں کہیں کسی جگہ شک و شبہ اور قیاس و تخمین کی کوئی گنجائش نہیں۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ ایسا حق کہ باطل اسکے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ (۴۱ : ۴۲) حق کہتے ہی اسے ہیں جو ثابت ہو۔ اٹل ہو۔ امٹ ہو اپنی جگہ پر قائم ہو۔ حقیقت کے ہر معیار پر پورا اُترے۔ علم و بصیرت کی ہر کسوٹی پر کھرا ثابت ہو۔ اور اُسکے برعکس باطل وہ جو مٹ جانیوالا ہو۔ جو باقی نہ رہ سکے۔ قرآن کا دعوےٰ ہے کہ وہ حق ہے۔ باطل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ علم و دانش ہے۔ توہم پرستی کا اِس میں کوئی شائبہ نہیں۔ کسی خاص مُلک خاص قوم اور خاص جماعت کی ہدایت کے لیئے نہیں بلکہ نسلی۔ لسانی۔ طبقاتی۔ وطنی۔ قبائلی حدود و قیود کو توڑ کر تمام دُنیا کے لیئے یکساں طور پر آئینِ حیات ہے۔ پھر جس طرح یہ صحیفۂ فطرت مکانی حدود سے بلند ہے۔ اِسی طرح زمانی قیود سے بھی ناآشنا ہے۔ یعنی جس طرح فطرت کی کوئی شے ایسی نہیں جو کسی زمانے میں یہ کہہ دے کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اِسی طرح قرآنِ کریم بھی یہ کبھی نہیں کہے گا کہ بس اب میں تھک گیا۔ اب کسی اور رہبر کی تلاش کرو۔ قطعاً نہیں۔ قرآنِ کریم کی آیات کو کھولتے جایئے۔ جہاں اندر جہاں۔ زمانہ در زمانہ اُنکے پیچ و خم میں لپٹا ملے گا۔ فطرت کی کسی چیز کو لیجیے۔ مثلاً پانی۔ اُسکے متعلق ابتدائی انسان اتنا ہی جانتا تھا کہ اُس سے پیاس بُجھ سکتی ہے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اِس سے نہایا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن پانی کے اندر چھپی ہوئی خصوصیتیں۔ اسکی (Latent Properties) زمانے کی عقل و علم تجربہ و مشاہدہ کے ساتھ ساتھ یوں کھلتی گئیں۔ گویا وہ اسکی لہروں کے پیچ میں لپٹی ہوئی تھیں، آج پانی سے جس قدر کام لیئے جاتے ہیں۔ ابتدائی زمانے میں بھی یہ خصوصیتیں پانی کے اندر موجود تھیں۔ اور آج بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پانی کے اندر جس قدر قوتیں خوابیدہ ہیں وہ سب کی سب بیدار ہو چکی ہیں۔ اس فضا کو دیکھیے جو کل تک خالی سمجھی جاتی تھی آج اس میں ایتھر کی لہروں نے ایک نئی دُنیا آباد کر دی ہے۔ ایتھر تو پہلے بھی موجود تھا اِسی خلا میں لپٹا ہوا اس انتظار میں تھا

کہ انسانی علم و دانش کی سطح بلند ہوتے ہوتے اُسکو آن چھوئے اور یہ اپنی چھپی ہوئی قوتوں کے خزانوں کی چابیاں اسکے حوالے کردے۔ یہی کیفیت مسلمانوں کے نزدیک قرآنِ کریم کی ہے۔ زمانہ علم و عقل کی جس سطح تک چاہے بلند ہوتا چلا جائے قرآنِ کریم اُس سے بھی آگے نظر آئے گا کہ ہمارا ایمان ہے کہ یہ اُس خدا کی کتاب ہے جس کی نگاہوں سے کوئی حقیقت پوشیدہ اور جسکے علم سے کوئی شے باہر نہیں ہے۔ ہم مسلمانوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ قرآنِ کریم محض چند نظری عقیدوں کا مجموعہ نہیں۔ بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ضابطۂ قوانین ہے۔ مذہب سیاست۔ تمدن۔ تہذیب۔ معاشرت معاشیات۔ غرضیکہ دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جسکے متعلق اسکے اندر ہدایت کے اُصول موجود نہ ہوں۔ ایسے اُصول جو سب سے محکم اور سیدھی راہ دکھانے والے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (۱۷:۹)

بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ جو سب سے زیادہ سیدھی ہے!

یہی وہ سیدھی راہ تھی جسپر چلکر ایک اونٹ چرانے والی کھجوروں کی گٹھلیوں پر گذارہ کرنے والی بادیہ نشین قوم دیکھتے ہی دیکھتے۔ ایک طرف قیصر و کسریٰ کی دولت و سلطنت کی وارث بنگئی۔ اور دوسری طرف دُنیائے جہانداری و جہانبانی میں حسن و اخلاق کے اس مقام تک پہونچ گئی جسکی یاد آجتک دلوں سے محو نہیں ہوئی۔

آج بھی ہم مسلمانوں کے پاس وہی قرآن موجود ہے۔ اور آج بھی اسکی ویسی ہی تلاوت ہوتی ہے۔ اسی رمضان شریف ہی میں دیکھئے لاکھوں مرتبہ اسے دُھرایا گیا ہوگا پھر کیا ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت عام طور پر ویسی نہیں ہے جیسی پہلے مسلمانوں کی تھی۔ وجہ ظاہر ہے۔ قرآنِ کریم قوانین کا مجموعہ ہے۔ اور قوانین ہمیشہ عمل کرنے کے لیئے ہوتے ہیں محض پڑھنے کے لیئے نہیں ہوتے، پڑھا انہیں اسلیئے جاتا ہے کہ سمجھ میں آجائیں۔ اور سمجھا اُنھیں اسلیئے جاتا ہے کہ اُنپر عمل کیا جائے جب سے یہ لم نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ ہم مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی کہ قدم چلتے ہیں لیکن منزل قریب نہیں آتی۔ کام ہو رہے ہیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمادیا ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (۲۰:۱۲۴)

اور جو شخص ہمارے قرآن سے روگردانی کرے گا تو اُسپر روزی تنگ ہو جائے گی۔ اور قیامت کے دن

ہم اُسے اندھا اُٹھائیں گے

آج دُنیا دل کے اضطراب اور روح کی پریشانی کے جس جہنم سے گذر رہی ہے۔ ضرورت تھی کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی زندہ اور پائندہ کتاب کا وارث بنایا تھا وہ انسانیت کو اس پریشانی اور اضطراب سے نجات حاصل کرنے کا راستہ بتاتی۔ لیکن دوسروں کو جگانے والے جب خود ہی سو جائیں تو مخلوق کی حفاظت کس طرح ہو۔ راستہ دکھانے والا جب چراغِ ہدایت کو دامن میں چھپالے تو منزل تک کیسے پہنچا جائے۔ لیکن ان چیزوں کے باوجود ہمارے لیئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ دُنیا چاروں طرف سے تھک تھکا کر خود ہی روشنی کی تلاش میں سرگرداں پھر رہی ہے، اسلیئے روشنی کے علمبردار زمانہ کے ہاتھوں مجبور ہونگے کہ اللہ کی دی ہوئی روشنی سے تمام پردے اُٹھا کر خود بھی راہ راست پر ہولیں اور دُنیا کو بھی اطمینان اور سکون کی جنت کا راستہ دکھائیں۔ ہم مسلمانوں نے جب پھر سے ایک مرتبہ قرآنِ کریم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تو پھر دیکھیئے گا کہ ہم جس مٹی کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ کس طرح سونا بنجاتی ہے۔ ہماری ہر آرزو کس پوری ہو جاتی ہے۔ اُسوقت ہمیں معلوم ہوگا کہ لیلۃ القدر کی صبح عظمت کیا ہے۔ ہم اس کی قدر و قیمت اسوقت پہچانینگے جب ہمیں قرآن کی قدر ہوگی اور جب قرآن کی قدر ہوگی تو اپنی آپکی بھی قدر ہوگی جب اپنی قدر ہوگی تو قدر و قیمت کے تمام دُنیاوی معیار نگاہوں سے گر جائینگے ٭

میں نے قرآنی نظام کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ محض الفاظ کی بندش اور شاعرانہ تخیل نہیں بلکہ میرے نزدیک ٹھوس حقیقت ہے۔ یہ نظام کیا ہے۔ کس طرح عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ اور اسکے نتائج کیا ہوتے ہیں؟ یہ سب کچھ قرآنِ کریم کے اندر موجود ہے ٭

روزوں کی عید

(جناب پرویز صاحب کی دوسری تقریر جو ۲ نومبر کی صبح دہلی ریڈیو اسٹیشن سے براڈ کاسٹ ہوئی اور جسے حسب اجازت محکمۂ ریڈیو۔ طلوع اسلام میں شائع کیا جاتا ہے۔ طلوع اسلام)

قرآن کریم کے نزول کی سالگرہ منانے کا وہ جشن مقدس جسکی ابتدا رمضان المبارک کے چاند سے ہوئی تھی۔ آج اسکا آخری دن ہے جس طرح اس تیوہار کی تقریب نرالی ہے۔ اسی طرح اسکے منانے کا انداز بھی انوکھا ہے۔ جشن و مسرت کے تیوہار عام طور پر کسی انسان کی یادگار قائم رکھنے یا کسی تاریخی واقعہ کو محفوظ کرنے کے لیے ہوتے ہیں لیکن اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانوں کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں۔ اور دنیاوی واقعات بھلائے جا سکتے ہیں۔ پر خدا کا وہ پیغام جو قرآن کریم کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے کبھی مٹ نہیں سکتا۔ کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اُسنے لی ہے جو زندہ ہے اور کبھی مر نہیں سکتا۔ ایسا قائم ہے کہ اُسے کبھی فنا اور زوال نہیں۔ یہ جشن عید اُسی خدائے حی و قیوم کی زندہ و پائندہ کتاب کے نزول کی یادگار ہے اور جب تک دنیا باقی رہے گی۔ یہ یادگار بھی باقی رہے گی۔ دنیا کے بڑے بڑے مؤرخ اُس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ وہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے مسلمانوں کو ملا تھا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہ اس سے پہلے ہوا ہے۔ نہ اسکے بعد ہوگا کہ جس کا محافظ خود اللہ ہو۔ اُس میں کون ردوبدل کر سکتا ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ واللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ وللہ الحمد۔

پھر اسے بھی دیکھئے کہ دنیا کے جشن عام طور پر کھیل تماشا۔ راگ رنگ۔ عیش و نشاط سے منائے جاتے ہیں لیکن شعائر الٰہی کی یادگار کے جشن منانے کے لیے ایک جداگانہ پروگرام تجویز کیا گیا ہے۔ اسکے لیے مہینہ بھر سے تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ اسلام کے معنی خدا کی اطاعت کے ہیں۔ زبردستی اطاعت نہیں۔ بلکہ دل کی خوشی سے برضا و رغبت اطاعت۔ یہ اسی کی اطاعت ہے کہ ایک عبدِ مومن حرام اور ناجائز شے کو چھو نہیں سکتا۔ اسکے ہاتھوں کسی شخص کے مال۔ جان عزت آبرو کو ناحق کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا۔ اسی جذبۂ اطاعت کی تقویت کے لیے حکم دیا گیا کہ اُسکے حکم کے ماتحت کچھ

وقت کے لیے حلال اور طیب چیزوں کو بھی چھوڑ دیا جائے تاکہ حرام اور ناجائز کی طرف کبھی نگاہ بھی نہ اُٹھنے پائے۔ انھیں دن بھر بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے کا خوگر بنایا گیا۔ تاکہ یہ جہادِ زندگی کے سخت ترین مرحلوں سے ہنستے کھیلتے گذر جانے کے عادی ہو جائیں۔ اُنہیں راتوں کو مساجد میں جمع کیا گیا کہ قانونِ خداوندی کا وہ ضابطہ جسکے ماتحت انہیں زندگی بسر کرنا ہے۔ پورے کا پورا مسلسل ذہن نشین ہوتا چلا جائے۔ گویا یہ ایک سالانہ ٹریننگ کیمپ تھا جس میں زندگی میں تازہ ولولے پیدا کرنے کے سامان فراہم کئے گئے تھے۔ ایک یادداشت تازہ کرنے والا Refresher Course تھا جس میں خدا اور بندے کے براہ راست تعلقات کی یاد تازہ کی گئی تھی۔ سالانہ محاسبہ Stock Taking تھا جس میں سال بھر کے اعمال اور نتائج کی جانچ پڑتال کر کے جائزہ لینا تھا کہ ہم ایک سال میں کس حد تک آگے بڑھے ہیں۔ جب پورے ایک ماہ کی محنت اور اطاعت کے بعد دلوں میں تزکیہ۔ نگاہوں میں بصیرت۔ ذہن میں جِلا، اور روح میں بالیدگی پیدا ہو گئی تو انِ تمام کو یکجا جمع ہونے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں۔ اور سوچیں کہ اُنہیں اُس زندگی کے حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لیے کیا کچھ کرنا ہے۔ جو جماعتِ مومنین کی خصوصیت ہے، اور جسکے وعدے قرآن کریم کے ایک ایک صفحہ پر بکھرے موتیوں کی طرح ابھرے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اس سوچ بچار کے بعد اپنے لیے ایک پروگرام تیار کریں جس کا اعلان۔ ان کا منتخب امام اپنے خطبہ میں کرے۔ اِسکے بعد انکے نمائندے اس طے شدہ پروگرام کو لیکر ملتِ اسلامیہ کے مرکزِ محسوس۔ یعنی بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہو جائیں جہاں ان مختلف مقامی پروگراموں کی روشنی میں تمام ملت کے لیے مشترکہ نظام تجویز کیا جائے۔ یہ ہیں اس جشنِ مسرت کے مختلف اجزاء اور یہ ہے ان اجزاء کی اجمالی تفصیل۔ انہیں سامنے رکھیے۔ اور پھر دیکھئے کہ یہی تقریبیں جنکے ہر گوشۂ بساط پر کبھی زندہ آرزوئیں مچلتیں اور تازہ ولولے رقص کرتے تھے۔ اصلی روح کے نگاہوں سے اُوجھل ہو جانے کس طرح رفتہ رفتہ رسمی اجتماعوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ بقول حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ ؎

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے	وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے!
نماز و روزہ و قربانی و حج ؎	یہ سب باقی ہیں۔ تو باقی نہیں ہے!

آپ عیدگاہ میں پہونچیں گے تو آپ کو نماز کے مسائل بھائے جائیں گے۔ بتایا جائے گا۔ کہ صفیں کس طرح سیدھی

رکھنی چاہئیں۔ دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہیئے۔ کندھے کے ساتھ کندھا کس طرح ملانا چاہیئے۔ ہاتھ کس طرح باندھنے اور کہاں تک اُٹھانے چاہئیں۔ تکبیریں کس طرح کہنی چاہئیں۔ یہ سب چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ اور ان کی پابندی لازمی۔ لیکن ان ظاہر ارکان کی پابندی کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی تو ضروری ہے کہ آپ وہاں جمع کس غرض کے لیئے ہوئے ہیں۔ نماز آپ کو کیا پیغام حیات دیتی ہے۔ جماعت کے ساتھ ملنا کیوں ضروری ہے۔ جماعت ایک ہی کیوں ہوتی ہے۔ متعدد کیوں نہیں ہوسکتیں۔ امام بھی ایک ہی کیوں ہوتا ہے اور اس کی ایک آواز پر بلا چون وچرا سب کو ایک ہی حرکت کیوں کرنی پڑتی ہے۔ اُس سے کہیں بھول چوک ہو جائے تو اُس کی اطاعت سے کیوں سرتابی نہیں کی جاتی۔ اور اُسکے لیے بھی جہاں تک ممکن ہو غلطی سے بچنا کس قدر ضروری ہے کہ اُسکے سہو کا کفارہ پوری جماعت کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ جھکنا کیا ہے۔ یہ اُٹھنا کیسا ہے۔ کس طرح

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ؛ ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

وحدتِ افکار۔ وکردار۔ یعنی خیالات میں یکسانیت اور اعمال میں یک رنگی۔ قوموں کی زندگی کے یہی بنیادی اصول ہیں اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لیئے تمام قومیں مختلف قسم کی جد وجہد کرتی ہیں لیکن اسلام میں یہ سب کچھ از خود موجود ہے۔ اور موجود ہے۔ اُس للہیت کو لیئے ہوئے جو مسلمانوں کا امتیازی نشان ہے۔ لیکن آج مسلمانوں میں افکار اور اعمال کی وحدت کی جو کمی نظر آتی ہے اُسکی وجہ اسکے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ

رہ گئی رسمِ اذاں۔ روحِ بلالی نہ رہی

ہمارے ان مناسک اور شعائر کی شکلیں باقی ہیں لیکن اصلی روح باقی نہیں رہی۔ اور ان کی شکلیں بغیر روح کے ایسی ہی ہیں۔ جیسے جسم بغیر جان کے یا نیام بغیر تلوار کے لیکن اسکے باوجود ایک اہم نکتہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے ہر چند ہمارے ان اجتماعوں میں آج وہ روح باقی نہیں رہی۔ لیکن ان کی پابندی اور قیام نہایت ضروری ہے۔ اسلیئے کہ ہماری فلاح اور سعادت جب بھی آئے گی۔ انہی شعائر کی راہ سے آئے گی۔ آپ تاریخ انسانیت کے بہترین زمانہ یعنی عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ ڈالیئے نظر آجائے گا کہ فلاح اور سعادت کے چشمے انہی چٹانوں سے پھوٹے تھے۔ اس لیئے ہمارے لیئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ خدا کی زندہ کتاب ہمارے پاس ہے۔ اس کے رسولؐ کا اُسوۂ مقدسہ روشنی کے بلند مینار کی طرح ہماری راہ نمائی کے لیئے موجود ہے اس کی برگزیدہ جماعتوں کے

کارنامے۔ مُردہ دِلوں میں نئے ولولے پیدا کرنے کے لیے ہمارے سامنے ہیں۔ بس اتنی ضرورت ہے کہ ہم ہر طرف سے کٹ کر اپنے آپ کو پھر سے اُسی پُرانے نظام سے وابستہ کرلیں۔ تو انہی چٹانوں سے ہمارے لیے زندگی کے چشمے اُسی گرمجوشی سے اُبلنے لگ جائیں گے۔ اور ان کی سیرابی سے ہماری ملت کے گلستان میں پھر سے بہار آنے لگے گی۔

نہیں ہے نا اُمید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

میری طرف سے آپ احباب کو مبارک ہو وہ عید جو ہمارے سامنے اسلامی زندگی کے جمال و جلال کی جھلک پیش کرکے۔ اِس بھولے ہوئے عہد و پیمان کی یاد تازہ کردیتی ہے کہ۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا اِلٰہ الا اللہ۔ واللہ اکبر۔ اللہ اکبر و للہِ الحمد

ہر قسم کی بڑائی اللہ کے لیے ہے۔ اسکے سوا کوئی اور ایسا نہیں جس کے سامنے جُھکا جائے۔ کبریائی اور ستائش کی سزاوار اسی کی ذات ہے

عید کا پیغام

(جناب حافظ اسلم صاحب جیراجپوری کی تقریر جو ۲ نومبر کی صبح دہلی سے براڈ کاسٹ ہوئی اور جسے باخذِ اجازت آل انڈیا ریڈیو طلوع اسلام میں شائع کیا جاتا ہے۔ طلوع اسلام)

آج عید ہے۔ یہ دن اِس لحاظ سے سال بھر میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خوشی کا دن ہے۔ کہ ایک مہینہ روزہ رکھنے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔

دن نکلتے ہی نہا دھو کر اور صاف ستھرے کپڑے پہنکر اللہ کا نام لیتے ہوئے۔ اُس کی حمد اور تکبیر کرتے ہوئے اور اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد پڑھتے ہوئے عیدگاہوں میں اگر جمع ہوتے ہیں۔ جہاں سب کے سب ایک امام کے پیچھے صف بستہ ہو کر عید کا دوگانہ ادا کرتے ہیں۔ اور اپنے مالک کے حضور میں عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ اس مبارک مہینے کے دنوں کے روزوں اور راتوں کی عبادتوں اور ریاضتوں کی قبولیت اور اپنی مغفرت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اور خدا کی عظمت و جلال کے آگے خوف اور اُمید سے گڑگڑا کر اپنے دلوں کا خون آنکھوں کی راہ سے بہاتے ہیں

کتنا سنجیدہ تیوہار ہے۔ اور کس قدر تین! سب کی زبانوں پر اللہ کا نام ہے! اور دلوں میں اسی کا خیال۔ نہ شور ہے نہ شر۔ نہ شورش ہے نہ جوش۔ نہ کھیل ہے نہ کود نہ نقل ہے نہ سوانگ۔ بس ایک رضائے الٰہی سب کے پیش نظر ہے اور سب اسی کے آگے سجدہ کرنے اور اپنی دلی آرزوئیں پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

بے شک عید خوشی کا دن ہے۔ کیونکہ مسلمان اپنے اکیلے رب کا بندہ ہے اس کی خوشی یہی ہے کہ اپنے رب کو اسکے احکام کی فرمانبرداری سے راضی کرے۔ اور عید کے دن وہ اُمید رکھتا ہے کہ رمضان مبارک کی عبادتوں کی بدولت آج اس کی دُعائیں قبول ہوں گی۔ اسکے گناہ بخشے جائینگے اور اسکے قصور معاف ہونگے۔ سچے بندوں کی خوشی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک کو راضی کریں۔

اس خوشی کے دن ہر محلہ کے خوشحال مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ عیدگاہ جانے سے پہلے اپنے پڑوس کے غریب اور محتاج بھائیوں کو عید کا صدقہ پہونچا دیں۔ تاکہ وہ سوال سے بے نیاز ہو کر سب مسلمانوں کے ساتھ عید میں شریک ہو سکیں

آج کے دن ہر مسلمان نہا کر اپنے بہتر سے بہتر لباس پہنکر اور خوشبو لگا کر عید گاہ میں آتا ہے اور تمام دُنیائے اسلام میں یہ اجتماع ہر جگہ اسی طرح ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے عید کا مجمع نہ صرف مسلمانوں کی شائستگی اور خدا پرستی بلکہ انکے اجتماعی جمال وجلال کا بھی مظہر ہے۔

عید کی نماز کے بعد مسلمان آپس میں گلے ملتے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ اس خوشی کے دن دِلوں سے کینہ اور دشمنی کو نکال دیں۔ اور بھائی سے بھائی گلے ملکر محبت کے عہد کو نئے سرے سے تازہ کریں۔ بعض بعض تو اس معانقہ کے اسقدر شائق ہوتے ہیں۔ کہ اس متین مجمع کے وقار کے خلاف اس میں ہل چل اور بے ترتیبی ڈالدیتے ہیں۔ لیکن یہ رسم خود ہماری پیدا کی ہوئی ہے ورنہ ہمارے باہمی اتحاد اور محبت کی بنیاد اس سے بہت بلند ہے۔ وہ ایک اکیلے معبود کی رضا طلبی پر جسکے آستانہ پر پوری ملّت کی آرزوئیں اور دعائیں جھکتی ہیں، اور گلے ملتی ہیں۔ اسی وحدتِ مقصد میں اتحادِ ملت کا راز مضمر ہے۔

آج مسلمانوں پر عام طور پر غربت اور بیکسی مسلط ہے۔ اور اسوجہ سے ہماری عید غریبوں کی اور بیکسوں کی عید ہے لیکن اسلامی ملکوں میں اب بھی اس کی شوکت وشان دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

یہاں اہل نظر کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جنکی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے بزرگوں کو حکومت عزت۔ مال۔ جاہ اور ہر قسم کی نعمتیں بخشی تھیں۔ اور اب کیا بات ہوگئی کہ ہم سے ایک ایک کر کے ان کو چھین رہا ہے۔ ہماری ملت کے اکثر افراد جس زوال کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں، وہ اس قدر ہولناک اور جانگداز ہے کہ ہماری خوشی کا دن بھی جو آتا ہے وہ اس غم کو مٹا نہیں سکتا

آج اگر کوئی شخص ماونٹ ایورسٹ پر کھڑا ہو کر دُنیا کی قوموں کا نظارہ کرے تو اسکو سب سے زیادہ تعجب مسلمانوں پر ہوگا جو صدیوں تک بےنظیر عروج حاصل کرنے کے بعد جسکے ذکر سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اب عام طور پر تنزل میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور دوسری قومیں دن رات عروج اور ترقی حاصل کر رہی ہیں۔ اس لئے یہ ایسا امر ہے جسکے اوپر مفکرینِ اسلام کو زیادہ سے زیادہ غور کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ مسلمانوں کی پستی کے اسباب کے ازالہ کی کوشش کر سکیں میرے نزدیک ہماری پستی کے بڑے سبب دو ہیں۔

(۱) پہلا یہ ہے کہ اس اُمت کی سربلندی اور اس کا عروج سب قرآن کریم کی پیروی کی بدولت ہوا تھا۔

لیکن رفتہ رفتہ امتِ اسلامیہ اس کتاب الٰہی کی تعمیل سے جو ہمارے لیئے دینی اور دنیاوی اور اجتماعی اور انفرادی ہر قسم کی تعلیمات اور حقیقی تعلیمات کا مجموعہ ہے دور ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اب یہ دوری اس درجہ کو پہونچ گئی ہے کہ یہ کہتے ہوئے میری گردن ندامت سے جھک جاتی ہے کہ جو کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا دستور العمل تھی۔ آج تمام امت اسلام میں جو مراکو سے چین تک پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی قوم یا جماعت ایسی نہیں ہے جسنے اس کو عملاً اپنی زندگی کا قانون بنایا ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا یہ دینی اور ذہنی مرکز جو ہماری ہدایت کا سرچشمہ ہے متروک ہوگیا۔ اور اسکے اکثر قوانین اور ضوابط خاصکر اجتماعی خود مسلمانوں میں رائج نہیں رہے۔ اور اسکے اوپر ہمارا ایمان محض اعتقادی اور زبانی رہ گیا جس کی وجہ سے امت سینکڑوں فرقوں میں منقسم ہوگئی۔ اسلیئے مسلمانوں کا پہلا فریضہ یہ ہے۔ کہ اس کتاب الٰہی اور نورِ مبین کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں۔ تاکہ اس کی روشنی میں باہمی فرقہ بندیاں اور مذہبی جھگڑے مٹ جائیں اور سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہوکر متحد ہو جائیں۔

(۲) دوسرا سبب اور نہایت اہم سبب ہماری پستی کا ہماری "لامرکزیت" یعنی مرکز کا نہ ہونا ہے۔ اور امتِ اسلامیہ اپنا مرکز کھو دینے سے پستی میں جا گری ہے ٭

آج تمام عالمِ اسلام ایک بے سری جماعت ہے جسکا نہ کوئی مرکز ہے نہ کوئی نظام ہے ہم کو خدا نے صرف اپنا ہی غلام بنایا تھا۔ اور اس امیر کی جو قرآنی احکام نافذ کرے۔ اطاعت کا حکم دیا تھا۔ جب تک امت اسکے اوپر عمل کرتی رہی برسرِ عروج رہی۔ لیکن بہت تھوڑے عرصے کے بعد خود ہمارے ہی ہاتھوں یہ مرکز ٹوٹ گیا۔ جس کی وجہ سے مختلف حکومتوں سلطنتوں اور بادشاہتوں میں ملّت تقسیم ہوگئی۔ اور ایک کو دوسرے سے سوائے اسلامی اشتراک کے اور کوئی تعلق نہیں رہ گیا ٭

مرکز کے فنا ہو جانے سے ملّت کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ اور اسکا شیرازہ بکھر گیا۔ اور کوئی اجتماعی قیادت اور راہنمائی نہیں رہی۔ جس کی وجہ سے عمل کی صلاحیت کم ہوگئی۔ اور زوال آگیا۔ اسلیئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ پھر دوبارہ ملتِ اسلام متحد ہوکر ایک مرکز پر آجائے۔ تو ہم کو ایسے امیر کی اطاعت اختیار کرنی چاہیئے۔ جو قرآن کے مطابق چلائے اور ہر ہر حصہ کے مسلمان ایک ایک مرکز پر آجائیں تاکہ رفتہ رفتہ پوری ملت متحد ہوسکے۔ ورنہ ڈر ہے کہ انفرادیت اور لامرکزیت ہلاکت تک پہونچا کر نہ چھوڑے ٭

یہ دونوں باتیں جو میں نے عرض کی ہیں قیاسی نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارے دینی فرایض ہیں۔ قرآنِ کریم پر ہر مسلمان کا ایمان ہے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ اسپر عمل کرنا نجات ہے۔ اسی طرح اطاعتِ امیر جسکے احکام قرآن میں کھلے کھلے اور واضح طور پر دیے گئے ہیں۔ ہر مسلم پر فرض ہے۔ ان دونوں یعنی قرآن اور امیر سے ملت عملی طور پر متحد ہو سکتی ہے۔

علاوہ بریں وحدت ملت کے اور بھی اسباب ہمارے اندر موجود ہیں۔ تمام دُنیائے اسلام میں یکساں ہر جگہ پانچوں وقت اذانیں پکاری جاتی ہیں اور نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ تمام دُنیائے اِسلام سے ہر قوم اور ہر ملک کے نمائندے دریا۔ کوہ اور بیابان قطع کرتے ہوئے حج کے موسم میں مکہ میں آتے ہیں۔ اور شاہ و گدا کا امتیاز اُٹھا کر ایک لباس میں میدانِ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ آج کی عید بھی تمام دنیائے اسلام میں یکساں اور ایک ہی انداز سے منائی جاتی ہے۔ اِسلیئے ہمارے اتحاد میں کوئی دشواری نہیں ہے اور امتِ اسلامیہ کے لیے اللہ اور رسول کی ہدایت اور تعلیم کی روشنی میں فلاح و نجات کی راہ میں قدم رکھنا اور دینی و اعتقادی مرکز قرآن کریم کو بنانا اور عملی مرکز اطاعت امیر کو اختیار کرنا عین اسکے ایمان کے مطابق ہے۔

میں اپنے تمام بھائیوں بہنوں کو عید کی مبارک باد دیتا ہوں۔ اور خلوص دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دل اور ایک زبان کردے۔ اور اپنی رحمت سے ہمارے قصوروں کو معاف کرکے ہم کو صحیح راستہ پر چلائے۔

تربیتِ حرّیت

علامہ اسلم جیراجپوری نے آج سے بیس سال قبل جب مندرجہ ذیل واقعہ کو کتب تاریخ میں پڑھا تو اسے سلک نظم میں پرو دیا تھا۔ اُس زمانہ میں یہ نظم علی گڈھ کالج میگزین میں شائع ہوئی تھی۔ اب طلوع اسلام اس کی اشاعت کا فخر حاصل کرتا ہے (طلوع اسلام)

قبطیٔ پیشِ عمرؓ نالید زار | کائے امیرِ عادلِ گردوں وقار
عاملِ مصرت آں عمرو بن عاصؓ | آبرویم ریخت پیشِ عام وخاص
ہر دو در جولانگہے میباختیم | اسپہائے خویش باہم تاختیم
بارہ ام چوں بود گرم و تند و تیز | من سبق بردم از و در جست وخیز
پور او آمد بر من سرخشمگین !! | تازیانہ زد مرا از روئے کین
گفت جوئی سربلندی اے لئیم | بر عرب۔ ابن الکریم، ابن الکریم؟
میزد و میگفت پشت دوشِ من | کرد رسوایم میانِ انجمن
زیں ستم کاں رفت بر من بے گناہ | آمدم پیشِ تو اینک داد خواہ
عہد با ما بستۂ اے داد گر | حرمتِ ذمی نی باشد ہدر

چوں عمرؓ ایں ماجرا از وے شنید | غیرتِ حق برق وش در دل تپید

درمیاں بُعدِ مسافت گرچہ بود / دادفرماں تا طلب کردند زود

سر برہنہ پیش او بر روئے خاک / ہر دو بنشستند پر از ترس و باک

گفت قبطی را بیا بنگر کدام / ہست مجرم تا بگیری انتقام

تازیانہ داد در دستش کہ ہاں / دادِ خود بستاں و ما را داد ہاں

قبطیٔ مظلوم شد بر خصم چیر / خست پشت ہر دوشِں فرزندِ امیر

گفت ہم بر صلعۂ عمرؓو بن عاص / گفت من از وے نمی خواہم قصاص

زانکہ او با من خُبیبت می جہاند / واں ستم ایں نوجوانِ تند راند

پس عمرؓ سوئے شاں آورد و گفت / کاے شمارا شرم و خجلت باد جفت

بندگانِ حق ہمہ آزادہ اند[1] / حُرز بطنِ مادرِ خود زادہ اند

از چہ بگرفتید ایشاں را غلام / خویش را خوانید ابنائے کرام

اللہ، اللہ ایں ہمہ ناز و غرور / از رہِ تقوےٰ و انصاف ست دور

کے سزاوارِ مسلمانست ایں / شیوۂ فرعون و ہامانست ایں

باخلائق ایں چنیں کبر و عناد / امّتِ اسلام را روزی مباد

---

[1] ان کے الفاظ یہ ہیں۔ متی تعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا۔

وراثت زمین

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ

(اعراف ع۱۴)

اس وقت جب کہ ربع مسکون میں عزت واقتدار کے حصول کے لئے اقوام عالم میں ایک زبردست کشمکش جاری ہے اور ہر قوم استیلاء وتغلب کے نشہ میں سرشار ہوکر اپنے حریفوں کے ساتھ آگ اور خون کے طوفان میں غلطاں وپیچاں ہے۔ کتاب مبین کے حامل کا فرض تھا کہ حق وباطل میں تمیز کرکے دنیا کے سامنے حقیقت ثابتہ کا اعلان کردیتا اور دنیا پر واضح کردیتا کہ اللہ کی زمین پر سوائے اللہ کے قانون کے کوئی قانون نہیں چل سکتا۔ یہاں وہی ضابطہ اور وہی نظام حیات کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے جو ازلی وابدی ہو اور انسانی کمزوریوں نے اس میں رخنہ اندازی کرکے اس پاک ومطہر نظام کو اپنی بدعنوانیوں سے ملوث نہ کردیا ہو۔ لیکن اس وقت کوئی آواز اس قسم کی نہیں اٹھتی۔ بحث ہے تو اس امر پر کہ فریقین میں سے کس کے دست وبازو مضبوط ہیں۔ خبط ہے تو اس کا کہ کس طریقے سے اپنی بات منوائی جائے۔ کس حیلے سے اپنے ہموطنوں کو دھوکہ دیا جائے۔ شیطانی حکومتوں کے کارندے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ ان کے عقیدہ ومسلک کی جیت رہے لیکن کوئی یہ نہیں سوچتا کہ آخر زمین وآسمان میں یکایک یہ فساد کیوں رونما ہوگیا۔ یہ ظلم وطغیاں کہاں سے آگیا۔ یہ طامہ کبری کیوں قائم ہوگئی انسان کیوں اسفل السافلین ہوگیا۔ کیوں نہ احترام آدمیت کو دل میں جگہ دیتے ہوئے احسن تقویم کا مستحق بنا یہ سب اس لئے ہے ؎

تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے — صاحب نظراں نشۂ قوت ہی خطرناک

لادین ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھکر — ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

دین حق اور شرع مبین کے عملی پروگرام کو نااہل ہاتھوں نے دنیا تک نہ پھیلایا۔ حقائق ومعارف الٰہیہ کو

بے نور سینوں نے اپنے قلوب میں مستور کر دیا۔ دنیا میں انسان ہدایت الٰہی سے غفلت کر کے اس ڈھرے پر آپہنچا کہ اب اس کی وہ تہذیب جس پر اُس کو ناز تھا اُس کے وہ علوم و فنون جن کو وہ ترقی ذہن اور جودت فکر کی پیدا وار سمجھتا تھا اس کی موت کا سامان بنے ہوتے ہیں۔

اب وقت تھا کہ دنیا میں پیغام الٰہی کے اسرار کی نقاب کشائی کر کے دنیا کے حکما و فلاسفہ و سیاسین کو جو قلب و نظر کی رنجوری سے العطش العطش پکار رہے ہیں اسلام کے چشمۂ فیض سے سیراب کیا جاتا لیکن حیف کہ دین متین کے حامل خود مردہ دل ہو چکے ہیں۔ ان کے قلوب میں ایمان کے چشمہ کی سوتیں مدّت سے بند ہو چکی ہیں۔ اب بجائے اس کے کہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے نیک نیتی سے اس فرض سے سبکدوش ہوتے وہ احکام الٰہی کی فرضیت و قطعیت میں ریب و تشکک پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ساری خرابی اس وجہ سے لاحق ہوئی کہ دین کی واقفیت صرف ایک طبقہ سے مخصوص ہو گئی۔ اور وہ بھی اس وقت سے جب اسلام کے قوت و شوکت کے پیغام کو گوشۂ خمول میں رکھ دیا گیا۔ اور نالائق ذمہ داروں کی وجہ سے قانون خداوندی میں تنسیخ و ترمیم جاری ہوئی۔ ہمارا حال وہی ہوا جو عہد کلیسا میں نصاریٰ کا ہوا انہوں نے تو علانیہ مذہب کو خیرباد کہہ دیا اور ہم قومی مسلمان رہ گئے۔ ہمارے اس خاص طبقہ نے وہ اودھم مچا رکھی ہے کہ یہود کے قسیین و احبار اور صدوقی اور فریسی بھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ جس سے ناراض ہوئے جھٹ ایک عدد فتویٰ صادر فرما دیا۔ اور اپنے حواریوں سمیت اس "مقہور و مردود" کے خلاف بحث و جدال کا بازار گرم کر دیا۔ سوچئے کہ یہ خود ایک دوسرے کو کافر کہنے والے آمین بالجہر اور یا رسول اللہ کہنے پر کفر و ایمان کا جھگڑا چکانے والے کسی تیسرے کے متعلق کیا رائے دے سکتے ہیں۔ ان کو کوئی نہ کوئی مشغلہ درکار ہے۔ اور ہر روز نیا شکار ڈھونڈا جاتا ہے۔

ذہنِ کافر فکر و تدبیر جہاد   دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد

حیف در حیف یہ کہ کسی خاص شخص کی مخالفت میں آکر اس کی صحیح باتوں کی تردید شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ مسائل قرآن حکیم سے مستنبط ہوں تو تردید کس کی ہوئی! قرآن کی۔

ان کے بعض وعناد کا ہدف کون بنا؟ کتاب الٰہی یہ سلسلہ کچھ نیا نہیں۔ جب سے اسلام میں۔ برہمنوں کی طرح علماء کا ایک الگ فرقہ قائم ہوا ہے۔ باہمی تکفیر و تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ (الا ماشاء اللہ) دین سیاست سے الگ ہوا سلطنت کی طرف سے طبقۂ علماء کے وظائف مقرر ہو گئے۔ فکر معاش سے آزاد عملی دنیا کو دنیا داروں کے سپرد کئے ہوئے اب اگر اپنا وقت جنت کے آبخورے گننے اور حوض کوثر کا طول وعرض ناپنے میں صرف نہ فرماتے تو اور کرتے کیا۔ رفتہ رفتہ اسی کا نام دین قرار پا گیا اور انہی مسائل پر بحث وجدل خدمت اسلام تسلیم کیگئی ہر دور میں کوئی نہ کوئی مشغلہ ان حضرات کے سامنے رہا ہے۔ آج کل انکے تیر تکفیر کا ہدفِ ناز بچارے خاکساروں کا وجود اور ان کے قائد علامہ مشرقی کی ذات ہے۔ میں اس معرکۂ کافرگری میں کسی کی حمایت یا مخالفت میں اپنا وقت ضایع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ میرے پاس اتنا فالتو وقت کہاں۔ لیکن پچھلے دنوں ایک ایسی بات سامنے آگئی ہے جس کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ

اگر خاموش بنشینم گناہ است

مولانا محمد سجاد صاحب۔ نائب امیر شریعت۔ بہار۔ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ہندو اخبارات میں آپ ان کا ذکر اکثر دیکھتے رہے ہونگے۔ ان کے اخبار "نقیب" میں علامہ مشرقی سے متعلق ایک "اہم استفتا" کے جواب میں" ایک تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے جس میں جیسا کہ ظاہر ہے۔ مشرقی صاحب اور تحریک خاکساران کی جی بھر کر تردید کی گئی ہے۔ اس فتویٰ میں آیت وراثت ارض کی تفسیر کے ضمن میں ایک اہم بحث کو چھیڑ دیا گیا ہے۔ یہی حصہ اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ اتنا عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ بظاہر یہ مضمون علامہ مشرقی قائد تحریک خاکساران کی تردید میں تحریر کیا گیا ہے لیکن اس کے پردے میں وہی راگ الاپا ہے جو حامیانِ متحدہ قومیت کی سرشت میں داخل ہو چکا ہے یعنی ملک کی مشترکہ جدوجہد میں شریک ہو کر بڑے پتھر کو ہٹانے کی کوشش کی جائے کیونکہ بغیر بڑے پتھر کے ہٹائے ہوئے اسلامی مقاصد کی تکمیل کا رستہ صاف نہیں ہو سکتا ہے۔ اور علمائے ملت اس بڑے پتھر کو ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں" ازاں بعد نفس پرست رئیسوں کا شکوہ کرتے ہوئے انگریزی داں سیاسی لیڈروں کی جہالت کا رونا رویا ہے اور شکوہ کیا ہے کہ وہ خود "مجاھدین" ملت

کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں اور عوام مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں"

مولوی صاحب نے اشارہ وکنایات میں جس عندیہ کا اظہار کیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے متحدہ قومیت کی سوفسطائیانہ منطق اور شرکت کانگریس کے لئے فتاوی کا رعب اور جبہ و دستار کی "زندہ اسلام"، فوجوں کا سیل بے پناہ جو وردھا کے سامری کی مصدقہ دستاویزات کے ساتھ میدان وغا میں مدت سے اترا ہوا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو صحیح الخیال مسلمانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی

پہلے مولوی صاحب کے ارشادات گرامی انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

آیت وراثت ارض کی تفسیر

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ
إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ۔ (انبیاء ع ۷ پارہ)

اس آیت کے ترجمہ کے مفہوم کو عنایت اللہ مشرقی آج تک نہیں سمجھ سکے۔ اسی وجہ سے وہ خود گمراہی میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس آیت سے پہلے ابتدا رکوع سے آخرت کا ذکر ہے۔ جہنم کا ذکر ہے (جو بد اعمالوں کی جگہ ہے) اسی کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ نیکوکار لوگ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے اس کے بعد مذکورۃ الصدر آیت میں یہ بشارت دے گئی ہے کہ آسمانی کتابوں میں نصیحت کے بعد یہ مذکور ہے کہ ارض جنت کے وارث ہمارے صالح بندے ہونگے بلاشبہہ عبادت گذار بندوں کے لئے اس بات میں بڑی تبلیغ ہے۔ گویا سیاق آیات سے یہ امر ظاہر ہے کہ صالحین کے لئے جس زمین کی وراثت یا ملکیت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ جنت کی زمینیں ہیں نہ یہ کہ یہ خاکی زمینیں جس پر ہم لوگ بستے ہیں۔ الغرض اس مقام میں جس ارض کی وراثت کی بشارت دیگئی ہے وہ وراثت ارض جنت کی ہے نہ یہ کہ دنیا کی زمین کی اور اسی وجہ سے جب خدا کے بندے صالح جو مستحق جنت ہوں گے تو ان کو وہاں بھی یہ کہا جائیگا کہ تم اس جنت کے وارث

بنائے گئے۔ چنانچہ سورۂ اعراف رکوع (پارہ ۸) میں ہے ونودوا ان تلکم الجنۃ اورثتموھا بما کنتم تعملون۔ اور سورۂ مریم ع پارہ ۱۶ میں ہے تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیا اور سورۂ زخرف ع پارہ ۵ میں ہے وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ آخرت میں جنتیوں کو یہ بشارت دیجائیگی کہ یہی وہ موعودہ جنت ہے جس کے وارث تم بنائے گئے ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے (خدا کے احکام و قانون کے مطابق) یعنی تمہارے اعمال صالحہ کی وجہ سے) دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بشارت دی ہے کہ یہی وہ جنت ہے۔ جس کے وارث ہم اپنے بندوں میں سے پرہیزگار و متقی بندوں کو بنائیں گے یعنی صالح بندوں کو۔ اور تیسری آیت کا مفہوم بھی وہی ہے جو پہلی آیت کا۔ اسی طرح کی آیتیں کلام مجید میں اور بھی ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ صالح مسلمین حقیقۃً جنت کے وارث ہوں گے۔ اگرچہ وراثت کے معنی مالک کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر موروثی چیز کا مالک و قابض ہونے کے مفہوم کا لحاظ کیا جائے تو اس معنی کے اعتبار سے بھی صالح مسلمانوں کے حق میں جنّت موروثی چیز ہے کیونکہ سب سے پہلے اور اس دنیا کی آبادی سے پہلے جنت حضرت آدم و حوا کو عطا کی گئی اور مومنین صالحین اُنہیں دونوں کی اولاد ہیں، اور ان کی نسبت کو ایمان و عمل صالح نے باقی و دائم رکھا۔ اس لئے وہ جنت کے مالک ہوئے اور اس حیثیت سے اس کی ملکیت پر ارث کا اطلاق بھی صحیح ہے۔ الغرض سیاق سباقِ آیات اور قرآنی قواعد سے یہ امر ظاہر ہے کہ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ میں ارض سے مراد ارض جنت ہے۔ اسی وجہ سے محقق مفسرین نے اس مقام میں الارض سے مراد ارض الجنۃ ہی لکھتے ہیں۔ اور اگر اس آیت میں الارض سے دنیاوی زمین مراد لیجائے۔ یعنی خدا کے بندے صالح اس زمین کے مالک ہوں گے۔ تو اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ رکھنا ہوگا کہ یہ بشارت زبور میں تھی جو داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور یہ بشارت حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے متبعین کے حق میں پوری ہوئی اور جن کی حکومت کی شان و شوکت خود کلام مجید میں صراحت سے مذکور ہے۔ تو اس صورت میں خدا کا وعدہ پورا ہو چکا

اور اگر اس بشارت کو عام ہر زمانہ کے لئے فرض کیا جائے تو بھی یہ بشارت عہد نبوت سے اسوقت تک بار ہا پوری ہو چکی اور ہو رہی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ بہر صورت کلام مجید کا کسی جگہ یہ مفہوم نہیں ہے کہ خدا کے صالح بندے جہاں کہیں بھی وہ آباد ہوں اور بسیں، خدا کا ان سے یہ وعدہ ہے کہ ہمیشہ وہ حکمراں ہونگے، بلکہ دنیا کی حکومت کا الٹ پلٹ ہوتے رہنا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک کرشمہ ہے اور اس کے مالک علی الاطلاق ہونے کی دلیل ہے اللہ پاک دنیاوی حکومت کو آزمایش وامتحان کے لئے مختلف قوموں میں دیتا رہتا ہے توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء خدا کی یہ صفت کلام مجید میں مذکور ہے:۔

اس تفسیر سے وہ ذہنیت ابھر کر سطح پر آگئی ہے جسے مخصوص مولویانہ ذہنیت کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس سے مراد صرف وہ ذہنیت ہے جو خارجی ماحول سے متاثر ہو کر اسلام کو اپنے خیالات کے قالب میں ڈھالتی ہے۔ ورنہ علمائے کرام میں وہ مجاہدین ملت بھی اکثر رہے ہیں جنہوں نے قرآنی تعلیم پر کسی انسانی خیال کو غالب نہیں آنے دیا اور اپنے اعمال کو بھی ہمیشہ قرآنی معیار پر ہی پرکھا (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) قرآن کریم ایک ضابطۂ قوانین ہے جو انسانی زندگی کو صراط مستقیم پر چلانے کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے قانون کو نافذ کرنے کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے اور اسے منوانے کیلئے قوت واقتدار کی۔ اسی کا نام استخلاف فی الارض ہے۔ زمین کی وراثت ہے۔ دنیاوی اصطلاح میں حکومت وسلطنت ہے۔ جب تک یہ نہیں۔ قانون کا نفاذ ناممکن ہے۔ درہ خیبر سے اُدھر تعزیرات ہند محض ایک کتاب کا نام ہے۔ اسی لئے کہ جہاں انگریزوں کی حکومت نہیں وہاں ان کا قانون کیسے نافذالعمل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس علاقہ سے ایک قدم ادھر آجائیے تو وہی کتاب ایک قوت قاہرہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے کیونکہ انگریزی علاقہ میں اس کی حیثیت قانون کی ہے۔ جماعت مومنین کو یہ استخلاف ایمان واعمال صالحہ کے بدلے میں ملتا ہے۔ یہی اسلام ہے۔ قرآن اسپر شاھد ہے اور یہی ایمان کے ایمان محکم اور اعمال کے اعمال صالحہ ہونے کی زندہ کسوٹی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مولوی نے جس چیز کا نام ایمان اور جن بے کیف مظاہر کا نام اعمال صالح رکھ چھوڑا ہے

ان کا نتیجہ تو استخلاف فی الارض کی شکل میں مرتب نہیں ہوتا۔ لہذا اس تضاد میں تطبیق کی کیا صورت ہے! اگر اللہ انہیں جرأت عطا فرماتا تو یہ اس امر کا اقرار کر لیتے کہ چونکہ ان کے متعین کردہ ایمان و اعمال کا نتیجہ استخلاف فی الارض نہیں ہے اس لئے وہ ایمان و اعمال قرآنی میزان پر درست نہیں اترتے۔ لیکن ایسا کہنے سے تو ان کی سیادت و امارتِ شرعیہ کی عمارت زمین پر ڈھیر ہو جاتی ہے۔ وہ ایسا کیوں کہتے۔ انہوں نے فرار کی یہ راہ نکالی کہ من الارض سے مراد جنت کی زمین ہے۔ خدا کے یہ وعدے جنت میں جا کر پورے ہونگے۔ یہاں اپنی کوتاہیوں کو چھپانے کے لئے اپنے آپ کو فریب دیا۔ دوسروں کو فریب میں مبتلا رکھا اور قرآن کریم کی روح کو مسخ کر ڈالا یہ ہے ان حضرات کا اسلام۔ یعنی آج ہندو جیسی قوم تو یہ کہ رہی ہے کہ اس ملک میں حکومت کرنا ان کا پیدائشی حق ہے۔ اور ہمارے نیشلسٹ علمائے کرام بھی ان کے قیامِ حکومت کی کوششوں میں ان کے دست راست بنے ہوئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے متعلق یہ فتویٰ ہے کہ انہیں حکومت و سلطنت "جنت" میں جا کر ملے گی۔ یہاں ان کا محکوم و مغلوب رہنا ہی عین اسلام ہے۔ کبھی انگریز کے غلام اور کبھی ہندو کے۔ جناب "نائب امام شریعت" صاحب کی اس تریاقی تفسیر کی ایک ایک شق کو قرآن کریم کی نصوص صریحہ سے توڑا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ ان حضرات کے نزدیک براہ راست قرآنی دلائل سے وزنی وہ دلائل ہوتے ہیں جو اسلاف کی طرف سے منقول ہوتے چلے آرہے ہوں۔ اسلئے ہم ان کی تردید میں یہی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں دیکھئے کہ وہ مفسرین حضرات جنہوں نے خارجی رجحانات سے متاثر ہوئے بغیر قرآن کریم کو سمجھا ہے وہ اس باب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں

سب سے پہلے ہندوستان کے مایۂ ناز عالم دین اور علماء حقہ کے سرخیل مولانا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ العالی کی رائے کو لیجئے۔

آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے "اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہونگے میرے نیک بندے" حاشیہ پر فائدہ کے تحت میں فرمایا ہے۔

"کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی اور

اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائیگا۔ چنانچہ فرمایا "اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ من عبادہ والعاقبۃ لِلْمُتَّقِیْنَ (اعراف ع ۴) اور اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا والذین اٰمنوا فی الْحَیٰوۃِ الدُّنیا ویوم یقوم الاشھاد (مومن ع ۱۰) اور وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم (نور ع ۱۲)

یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شرعیہ اور کتب قدریہ میں دی۔ لوح محفوظ اور ام الکتاب میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیا علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان کرایا۔ داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور (۳۷ - ۲۹) میں ہے کہ صادق زمین کے وارث ہونگے۔ چنانچہ اس امت میں کامل وفادار اور صادق بندے مدت دراز تک زمین کے وارث رہے۔ مشرق و مغرب میں انہوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی۔ عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دئے۔ دین حق کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیا اور نبی کریم صلعم کی یہ پیش گوئی ان کے ہاتھوں پر پوری ہوئی ان اللہ تعالیٰ زوی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا اور اس قسم کی دوسری پیشین گوئی امام مھدی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں پوری ہو کر رہیگی۔" قبل اس کے مندرجہ بالا اقتباس اور مولانا بہاری کی ادعا کے متعلق فیصلہ کن رائے کا اظہار کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں مزید شہادتیں منقولات سے پیش کی جائیں تاکہ مولانا موصوف اپنے زہد و ورع کی ترنگ میں آکر اپنے اجتہاد کو اجماع امت کا درجہ نہ دے بیٹھیں۔

(۲) تفسیر حقانی میں مذکور ہے۔

ہم پند و نصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہونگے

(ف) ولقد کتبنا فی الزبور۔ ..... الخ سعید بن جبیر و مجاھد کلبی و مقاتل و ابن زید کہتے ہیں زبور سے مراد وہ کتابیں جو دنیا میں انبیا پر نازل ہوئیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ کہ جہاں سے

نقل ہو کر یہ کتابیں آئیں۔ یعنی دونو جگہ ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے نیک بندے وارث ہونگے ..... ارض میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ ۱۔ جنت کی زمین۔ ۲۔ دنیا کی زمین یعنی ملک کا مالک ہم نیک بندوں کو کریں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وعد اللہ الذین امنو ..... لیستخلفنھم فی الارض اس میں اسلام کے غلبہ اور ظہور کی طرف ایما ہے اور مخالفوں کے لئے تہدید کہ تمہارے سامنے یہ نہ مٹے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ارض سے ارض مقدسہ بیت المقدس اور ملک شام مراد ہے سو اس نے اپنے وعدہ کے موافق ایسا ہی کیا کہ مسلمانوں کے قبضہ میں کر دیا اور اب تک ہے اور قیصر و کسری کی سلطنت بھی ان کے قبضہ میں آئی۔ قریش مکہ جو اپنی سرداری اور جماعت پر نازاں تھے ان کو یہ سنایا گیا ۱۲ زبور کے نویں اور گیارھویں درس میں بھی یہی مضمون ہے اور بہت سے مقامات عہد جدید و عہد قدیم سے بھی ثابت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس میں عبادت کرنے والوں۔ خدا پرستوں کے لئے مژدہ رسانی ہے کہ خدا پرستوں پر دنیا میں بھی فضل ہوتا ہے اور آخر کار ملکوں کے مالک بنائے جاتے ہیں۔ اور مصائب سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ آخرت میں تو پھر سب ہی کچھ ہے۔ (صفحہ ۴۷ ج ۵ تفسیر حقانی پارہ ۱۷ ع ۵)

(۳) جامع البیان میں مذکور ہے

ولقد کتبنا فی الزبور ..... الخ۔ الزبور ما انزل من الکتب والذکر اللوح المحفوظ۔ ای کتبنا بعد ما کتبنا فی اللوح او ھو کتاب داؤد والذکر التوراۃ ان الارض ارض الجنۃ او ارض الکفار او بیت المقدس۔ یرثھا عبادی الصّٰلحون۔ المومنون مطلقا او امۃ محمد علیہ السلام۔ (ص ۲۸۹ جامع البیان) (فائدہ) فلما ذکر ان وعدہ حق لا یتخلف الموعود عنہ بما ھو دال علی ذلک فقال ولقد کتبنا فی الزبور ص ۲۸۹ جامع البیان پ ۱۷۔

(۴) تفسیر بیضاوی میں مذکور ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور ..... الذکر ..... ان الارض یرثھا عبادی الصلحون

.... اِلّا رحمۃ لِّلعٰلمین...... الخ فی الزبور ای فی کتاب داؤدؑ
ای التوراۃ وقیل الملل دبالزبور جنس الکتاب المنزلۃ وبالذکر اللوح المحفوظ۔
ان الارض۔ ای ارض الجنۃ او الارض المقدسۃ۔ عبادی الصالحون یعنی
عامۃ المومنین او الذین کانو یستضعفون مشارق الارض ومغاربہا او امۃ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ الا رحمۃ للعالمین لان مابعثت بہ
سببٌ لاسعادھم وموجب اصلاح معاشھم ومعادھم وقیل کونہ رحمۃ
للکفار منھم بہ من الخسف والمسخ وعذاب الاستیصال.... فان تولوا
.... (بیضاوی سورۃ انبیا)
اس کے بعد مذکور ہے کہ بعثت نبوی کا مقصود اصلی اور غایۃ توحید الٰہی کا قیام ہے۔
(۵) تفسیر روح البیان میں آیۃ زیر بحث کے متعلق مذکور ہے۔
(ان الارض یرثھا عبادی الصلحون) ای عامۃ المومنین بعد اجلاء
الکفار۔ کما قال "وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی
الارض کما استخلف الذین من قبلھم.... الخ (۲۴: ۵۵) وھذا وعد منہ
باظھار الدین واعزاز اھلہ ۱۲ (روح البیان الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی آفندی جلد ثانی
ص ۶۸۵ سورۃ انبیاء)

(۶) تفسیر المنار بھی مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ کے قول کی تائید موجود ہے۔ بلکہ مفتی محمد عبدہٗ مرحوم
نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر سورۃ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے ببانگ دھل قرآن حکیم کو دین و
دنیا کی فلاح کی ضامن کتاب تصور کیا ہے اور فرمایا ہے "قرآن حکیم دنیا میں آیا اور ایک اقل قلیل عرصہ میں
دنیا کے اندر زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔ ایسا انقلاب کہ آج تک دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال پیش
نہیں کر سکتی۔ قرآن حکیم آخری آسمانی کتاب ہے۔ اور اس نے وہ کچھ کر دکھایا جو آخری کتاب کے
شایان شان ہے۔ اسکا ایک ایک لفظ اور ایک ایک آیت ایک عظیم الشان انقلاب کی بشارت

دیتا ہے۔

ایک داعیٔ حق صراط مستقیم پر آکھڑا ہوا اور بآواز بلند پکارا یاقومنا اجیبوا داعی اللّٰہ۔ اور دنیا کے سامنے اکسیر اعظم کیمیائے سعادت کا بے مثل نسخہ پیش کیا یعنی بارگاہ خداوندی سے قرآن حکیم کو لا کر پیش کیا اور اعلان کیا کہ جس قوم کے پاس یہ موجود ہے وہ خزائن ارضی و سماوی کی مالک۔ فلاح دارین کی حامل۔ سعادت مبدا و معاد کی وارث اور عظمت و اقبال کی علمبردار ہوگی اور جس نے اس سے اعراض کیا وہ ان تمام برکتوں سے محروم ہوگی۔ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ (طٰہٰ ع) - جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا یقیناً اس کی معیشت ضیق میں ہوگی اور قیامت کے دن بھی ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے

دین اور دنیا کی تمام سعادتیں اور عزتیں اسی کے لئے ہیں جس نے قرآن حکیم کو اپنے لئے صراط مستقیم بنایا دوسرے کے لئے نہ عزت ہے نہ عظمت وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (عزت صرف اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے) غرض بارگاہ خداوندی سے قرآن حکیم نازل ہوا اور ہادی برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حقائق و معارف کے پردے اٹھا کر نوع بشری کے لئے سعادت دارین کے خزانے کھول دئے۔ قرآن حکیم نے انسانیت کو جو ترقیاں بخشیں اس سے دنیا حیرت کر رہی ہے۔ جہاں ۵ صدیوں میں نہیں پہونچ سکتی تھی۔ قرآن حکیم نے دنوں میں اس سے کہیں بلند اور ارفع عرش ارتقا پر لا بٹھایا۔ بادیہ نشین، صحرا نورد شتربان قوم کو خزائن قیصر و کسریٰ کی کنجیاں دے دیں اور پورے تیس سال نہ گزرے تھے کہ درس گاہ نبوت کے تعلیم یافتہ کتاب و سنت کی بدولت حدود ہند و چین، حدود افریقہ و یورپ اور حدود ایران و روم تک جا پہنچے اور بحر و بر پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ وہ قوم جس کی سیادت و حکمرانی بکریوں کے ریوڑ، اونٹوں اور چراگاہوں میں ناکام تھی۔ قرآن حکیم کو ہاتھ میں لے کر نکلی اور کرۂ ارضی پر چھا گئی۔ کتاب اللہ نے اس کو جہانگیر۔ جہاں دار، جہاں بان و جہاں آرا بنا دیا۔

نیز ضلالت کے متعلق بحث کرتے ہوئے ان مسلمانوں کو بھی ضالین میں شمار کیا ہے جو بظاہر شعائر

اسلام پر پابند ہیں لیکن الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔

(۷) تفسیر الجواہر از علامہ طنطاوی میں بھی آیہ زیر بحث میں ہے کہ ارض سے مراد دنیا کی زمین ہے اور اس کا وارث اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کریگا کیونکہ وہی دنیا میں اس بین الاقوامی انقلابی جماعت کے افراد ہیں جنکا وظیفہ حیات اللہ کے قانون کی سربلندی اور خلافت الٰہی کی تاسیس ہے۔ سب سے آخر قومیت پرست علماء کے سرخیل جناب ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ان حضرات کے لئے ان کی رائے سے بڑھ کر اور کس کی رائے سند ہوسکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ آیت (۱۰۵) سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے فرمایا۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصلحون "ہم نے زبور میں اپنے اس مقررہ قانون کا اعلان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہوتے ہیں۔ یعنی جماعتوں اور قوموں کے لئے، یہاں یہ قانون الٰہی کام کر رہا ہے۔ کہ انہی لوگوں کے حصہ میں ملک کی فرمانروائی آتی ہے۔ جو صالح ہوتے ہیں "صلح" کے معنے سنورنے سنوارنے کے ہیں "فسد" کے معنے بگڑنے بگاڑنے کے "صالح" انسان وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسروں کو سنوارنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے اور یہی حقیقت نیک عملی کی ہے "مفسد وہ ہے جو بگاڑ میں پڑتا اور بگاڑنے والا ہوتا ہے" اور یہی حقیقت بدعملی کی ہے پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنوارنے والوں کی وراثت میں آتی ہے ان کی وراثت میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے ہوتے ہیں

زبور کا جو مجموعہ آج موجود ہے اس کے بے شمار ترانوں میں یہ حقیقت صاف صاف بول رہی ہے۔ مثلاً زبور ۳۷ میں ہے "بدعمل کاٹ ڈالے جائینگے مگر وہ جو خداوند کی بات کی راہ دیکھتے ہیں۔ زمین کو میراث میں لینگے۔ قریب ہے کہ شریر نابود ہو جائے۔ تو اس کا ٹھکانا ڈھونڈھے اور نہ پائے پر وہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہونگے اور ہر طرح کی راحتوں سے خوش دل ہونگے۔ (۳۷ : ۹)

توراۃ، انجیل، اور قرآن، تینوں نے زمین کی "وراثت" کی ترکیب جا بجا استعمال کی ہے

اور غور کرو یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی اور قطعی تعبیر ہے؟ دنیا کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں" ایک طرح کی بدلی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور ایک گروہ طاقت و اقتدار حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ چلا جاتا ہے۔ اور دوسرا فرد اور گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہو جاتا ہے حکومتیں کیا ہیں؟ محض ایک ورثہ ہیں جو ایک گروہ سے نکلتا اور دوسرے کے حصہ میں آجاتا ہے۔ اگر زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھکر۔ اور جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آتی ہے اس کے حالات کا کھوج لگاؤ۔ تو تم دیکھوگے اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے۔ ایک قوم قابض ہوئی۔ پھر مٹ گئی دوسری اس کی وارث ہوگئی۔ پھر اس کے لئے بھی مٹنا ہوا۔ اور تیسرے وارث کے لئے جگہ خالی ہوگئی وھلم جرا۔

پس قرآن کہتا ہے۔ یہاں ارث و میراث کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب سوچنا یہ چاہیئے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیوں ہوتے ہیں؟ اور جو وارث ہوتے ہیں کیوں وراثت کے حقدار ہو جاتے ہیں۔؟ فرمایا۔ اس لئے، کہ یہاں خدا کا ایک اٹل قانون کام کر رہا ہے" ان الارض یرثہا عبادی الصّٰلحون" وراثت ارضی کی شرط اصلاح و صلاحیت ہے۔ جو صالح نہ رہے ان سے نکل جائیگی۔ جو صالح ہوں گے ان کے ورثہ میں آئیگی۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تبدیلا۔

اس کے بعد فرمایا۔ ان فی ھٰذا لبلاغا لقوم عابدین۔ اس بات میں عبادت گذاران حق کے لئے ایک بڑا پیام حقیقت مضمر ہے یعنی اس قانون الٰہی کے تذکرہ میں ان کے لئے وراثت ارضی کا پیام ہے کہ وعد اللہ الذین اٰمنو منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔ ۲۴:۵۵ جسطرح اس سے پہلے خدا کے صالح بندوں کی وراثت میں زمین آچکی ہے۔ اسی طرح عنقریب ان کی وراثت میں بھی آنے والی ہے اور پھر یہ انقلاب کیوں ہونیوالا ہے! اس لئے کہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین پیغمبر اسلام کا ظہور کرۂ ارض کیلئے رحمت الٰہی .... کا ظہور ہے پس ضروری ہے کہ انسانی شقاوت کا خاتمہ ہو ضروری ہے کہ اس کی جگہ

رحمت الٰہی کا سایہ کرۂ ارضی پر چھا جائے۔

اس کے بعد واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی دعوت کا ماحصل کیا ہے۔ انما الٰھکم الٰہ واحد فھل انتم مسلمون ؟

باقی رہی یہ بات کہ یہ انقلاب حال کب ظہور میں آنے والا ہے ؟ تو ان ادری اقریب ام یجعل لہ ربی امدا۔ میں جانتا ہوں کہ یقیناً ایسا ہونے والا ہے۔ لیکن ابھی اس میں کچھ دیر ہے یا بالکل سامنے آگیا ؟ یہ میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس بارہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانین ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین۔ کون جانتا ہے ہو سکتا ہے کہ جو تاخیر ہو رہی ہے وہ اس لئے ہو کہ تمہیں ابھی کچھ دنوں اور آزمایش میں ڈالنا ہو یا اس لئے کہ تمہارے تمتع حیات کے کچھ دن ابھی باقی ہیں۔

یہ سورت کا کتنا اہم مقام ہے ؟ سورت کے تمام بیانات کس طرح وقت کی سب سے بڑی موعظت پر ختم ہو رہے ہیں ؟ اور پھر کیسی فیصلہ کن بات ہے۔ جس میں مومنین صالحین کے لئے پیام اقبال اور منکرین مفسدین کے لئے پیام ادبار ہے ؟ لیکن تفسیریں اٹھا کر پڑھو ہمارے مفسر اس تیزی سے نکل گئے ہیں۔ گویا سکتے اور نظر تدبر سے کام لینے کی اس میں کوئی بات ہی نہیں ہے

(ترجمان القرآن جلد دوم ۴۹۵ - ۴۹۴)

ان زبردست شہادتوں کی موجودگی میں مولانا بہاری صاحب کم از کم اس امر کی تو جسارت نہیں کر سکتے کہ اپنے فہم قرآنی کو علماء اسلام کی جانب منسوب کر سکیں۔ یا قرآن حکیم کی دیگر نصوص صریحہ کا جو کہ اس وعدہ کی تائید میں موجود ہیں انکار کر سکیں۔ قرآن حکیم کی تفسیر اپنی مرضی کے مطابق کرنے کا ان کو اختیار ہے کیونکہ غلام آباد ہندوستان میں کتاب الٰہی سے بڑھکر اور کوئی مظلوم نہیں ہے ؎

ہے مملکت ہند میں ایک طرفہ تماشا اسلام ہے محکوم مسلمان ہے آزاد

حضرت مولانا محمود الحسن مرحوم کی شہادت بھی آپ نے پڑھی ہے میں اس کے متعلق ذرا تفصیل سے

بحث کرونگا کیونکہ انکا زمانہ جناب حضرت مولانا بہاری کے زمانہ سے زیادہ قریب ہے۔ نیز حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ العالی بھی اس شہادت کے دوسرے شاہد عادل ہیں۔ حضرت مولانا محمود الحسن مرحوم کے بیسیوں شاگرد اس وقت ہندوستان میں موجود ہیں ان کا فرض تھا کہ اس نئی تفسیر کے متعلق مولانا بہاری سے باز پرس کرتے۔ لیکن افسوس کہ "علماء کرام" علامہ مشرقی کی مخالفت میں اندھے ہوکر قرآن کریم کی معنوی تحریف کو روا رکھ رہے ہیں۔

مولانا بہاری ارض سے مراد ارض جنت لیتے ہیں اور مولانا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ مسلمان کی دنیا و دین میں قطعاً فرق نہیں کرتے بلکہ مومن کو دنیا و دین کی عزت اور سعادت دارین کا سزاوار بناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی ارض کا وارث بنائیگا" نیز مولانا بہاری کا قول ہے کہ "اگر آیت زیر بحث میں الارض سے دنیاوی زمین مراد لی جائے یعنی خدا کے بندے صالح اس زمین کے مالک ہوں گے تو اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ رکھنا ہوگا کہ یہ بشارت زبور میں تھی جو داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور یہ بشارت حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے متبعین کے حق میں پوری ہوئی اور جن کی حکومت کی شان و شوکت خود کلام مجید میں صراحت سے مذکور ہے۔ تو اس صورت میں خدا کا وعدہ پورا ہو چکا" اس کے متعلق جناب مولانا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت ملاحظہ ہو۔۔۔۔۔ آیت استخلاف کو درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شرعیہ اور کتب قدریہ میں دی لوح محفوظ اور ام الکتب میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان کرایا۔ داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور ۳۷۔ ۲۹ میں ہے کہ صادق زمین کے وارث ہونگے" مولانا بہاری کا تیسرا دعویٰ "کہ کلام مجید کا کسی جگہ یہ مفہوم نہیں ہے کہ خدا کے صالح بندے جہاں کہیں بھی وہ آباد ہوں اور بسیں خدا کا ان سے یہ وعدہ ہے کہ وہ ہمیشہ حکمراں ہونگے" اس کے متعلق مولانا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے

کہ ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائیگا۔ اس کے بعد اپنے دعوی کو مضبوط بنانے کے لئے ایہ استخلاف کو لکھا ہے۔ آخر میں یہاں تک لکھا ہے کہ "چنانچہ اس امت میں کامل وفادار اور صادق بندے مدت دراز تک زمین کے وارث رہے شرق و غرب میں انہوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ دین حق کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیا اور نبی کریم کی پیش گوئی ان کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

ان اللہ تعالی زوی الارض ..... الخ حضرت مولانا بہاری ایک اور انکشاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "بلکہ دنیا کی حکومت کا الٹ پلٹ ہوتے رہنا اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک کرشمہ ہے اور اس کے مالک علی الاطلاق ہونے کی دلیل ہے ------ الخ کون احمق اس کی مخالفت کرتا ہے ہمیں تو اس کے ساتھ سو فی صدی اتفاق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حکومت کا الٹ پلٹ نہ کرے تو نعوذ باللہ اس کا وعدۂ استخلاف غلط ثابت ہوتا ہے۔ جو کامل وفادار بندوں سے ہے اور جو کامل وفاداری اور جاں سپاری کا دم نہیں بھرتا۔ جو قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین الخ کے مطابق اپنے اعمال کو نہیں ڈھالتا تو خدائے قدوس ان قوموں کو تہس نہس کر دیتا ہے ان کا نام و نشان مٹا دیتا ہے۔ سنت الٰہی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ظالم اور فاسق قوموں سے سلطنت چھین لے" ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم ..... الخ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسی قانون تبدل و تحول کا نتیجہ ہے کہ جنکو اس نے اپنی کتاب مبین کا وارث اور نوع انسانی کا امام بنایا تھا وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے امام الناس ہونے کی بجائے ایک ننگ پوش مہاتما کے چرنوں میں جا گرے۔ ان کا کعبہ مقصود بیت اللہ سے ہٹ کر انند بھون میں گیا اعتصام بحبل اللہ کی بجائے تشتت و افتراق کے بُت کے پجاری بن گئے۔ دین اسلام کے ظہور و غلبہ کو محل اعتراض ٹھہرا کر تمام ادیان کے برحق ہونے کا فتوی صادر کر دیا۔ عباد الرحمٰن اور حزب اللہ ہونے کی بجائے اولیاء الکفار بن گئے۔ خالص لوجہ اللہ جہاد کرنے کی بجائے متحدہ قومیت کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ مظلوم مسجد کو شہید ہوتا دیکھتے رہے جب کہا گیا کہ ملت کی مشترکہ مصیبت میں

تعاون کیوں نہیں کرتے تو جواب دیا کہ ہمارا علم بغاوت تیسری طاقت کے خلاف ہے۔ کعبہ بھی گر جائے تو ہمیں پروا نہیں۔ ہم اس راہ کے سب سے بڑے پتھر کو ہٹا رہے ہیں۔ کیا یہ اللہ کے اسی قانون کا نتیجہ ہے کہ وہ مومن جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ ؎

مومنے بالائے ہر بالا ترے　　غیرت او برنتابد ہمسرے۔

آج واردھا کے سامری کی اندرونی روشنی کے آگے ہتھیار ڈال چکا ہے۔ شیخ الحدیث متحدہ قومیت کا ڈھنڈورچی بنکر اسلام کو ملک و وطن کی تنگناؤں میں محصور کر رہا ہے۔ العجب ثم العجب۔

شیخ ملت با حدیثِ دلنشیں　　برمراد او کند تجدید دیں

اس سے بڑھکر اور کونسا انقلاب درکار ہے۔ کونسا الٹ پلٹ پسند ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں خدا کی اس صفت کا ذکر ہے وہاں غزوۂ اُحد کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ اگر اطاعت امیر میں ذرا بھر بھی فرق آجائے تو جنگ کا پانسہ اُلٹ جاتا ہے حضورؐ نے عبداللہ بن جبیر کو کچھ آدمیوں کے ساتھ پہاڑی کی دوسری طرف متعین کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ یہاں پر جمے رہو یہاں تک کہ اگر چیل اور کوے ہمارا گوشت ہی کیوں نہ اُچک لیں۔ لیکن مال غنیمت کے لالچ میں آکر پہاڑی کے درے کو اس جماعت نے چھوڑ دیا۔ موقع پاتے ہی غنیم کی فوج سے تیر اندازوں کا ایک دستہ خالد اور عبداللہ بن قمیہ کی قیادت میں آکر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ یہاں تک کہ سرور کونینؐ بھی زخمی ہو جاتے ہیں۔ اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے خدائے قدوس مسلمانوں کو ان کی غلطی پر متنبہ کرتا ہے اور جب وہ صبر و استقلال میں آکر عزم و ثبات سے جم جاتے ہیں تو ان کی تسکین خاطر کے لیے فرماتا ہے۔ ان یمسسکم القرح فقد مس القوم قرح مثلہ و تلک الایام نداولھا بین الناس (آل عمران) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا کرشمہ دیکھنا مقصود ہے تو انتزاع خلافت عباسیہ کو یاد کرو۔ خلیفہ اسلام امانت الٰہی کو نہ اُٹھا سکا۔ احکام الٰہی کو اپنی حرص و ہوا کے تابع کیا۔ خدائے قدوس نے اس کو ہلاکو خاں کے ہاتھوں ہلاک کیا۔ اسپین کے

مسلمانوں کا واقعہ کیا کچھ کم عبرت ناک ہے۔ جناب مولانا! آپ نے تو خود ہی تسلیم کر لیا ہے کہ "ہندوستان کی حکومت مسلمان حکمرانوں کی نفس پرستیوں اور غفلتوں اور بے دینیوں کی وجہ سے گر گئی اور اس حکومت کے زائل ہونے میں سب سے بڑا ہاتھ رافضیوں کا تھا۔ یہ سچ ہے لیکن رافضی کون ہیں وہ بھی تو ملت اسلامیہ کے ۷۲ ٹولوں میں سے ایک ہیں۔

خلافت عباسیہ بھی ابن علقمی کی شرارت سے جو کہ رافضی تھے تباہ ہوئی لیکن اس موقع پر احناف و شوافع نے کیا کیا۔ کیا انہوں نے ملت اسلامیہ کی قصر رفیع اور قبہ اسلام بغداد کی عظمت و شوکت کو نیسا منسیا کرنے کے لیے دشمن کے آگے دروازے نہیں کھول دئے۔ خود ہندوستان میں کیا ہوا سلطنت مغلیہ کے انتزاع کے وقت آپ کے علما کیا کر رہے تھے وہی جو علمائے عیسائیت سلطان محمد فاتح رح کی فاتحانہ یلغار کے موقع پر کر رہے تھے۔ مولانا آپ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاسق اور بے حکموں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ (۱) فھل یھلک الا القوم الفسقون (۴۶:۳۵) (۲) وھل نھلک الا القوم الظالمون (۶:۴۷)۔ (۳) وما کان ربک لیھلک القری بظلم وّاھلھا مصلحون (۱۱:۱۱۷)

یہی تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ استخلاف فی الارض، مومنین صالحین کے لیے ہے۔ "فھل نجازی الا الکفور" فاسق اور منافق جو بظاہر شعائر اسلام کی پیروی کرتے ہیں لیکن اسلام ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ اس وعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ ان ہی کے متعلق تو قرآن حکیم پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ ومن الناس من یقول امنا باللہ و بالیوم الاخر وما ھم بمومنین (بقرہ ع۱) کیا اب بھی آپ دین و دنیا کے تعلق کو نہیں سمجھے۔ آپ کی یہی مرضی ہے کہ اس دنیا میں مشرکین کے سامنے ذلت و مسکنت کے مارے دم نہ مار سکیں اور قیامت کے نسیۂ پر اس نقد متاع کو بھی لٹا دیں عجمی منطق مومن کے شایان شان نہیں۔ یہ تو مومن کے دشمنوں کے ارادے ہیں ؎

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام　　چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

ہمارے لیے دنیا میں بھی حکومت لکھی ہے اور قیامت میں بھی حکومت اور اسی لیے مسلمانوں کی

دلی آرزوؤں کا اظہار ان مبارک الفاظ میں خود خدائے بزرگ و برتر نے کیا ہے "ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ" الخ آپ جس مومن کے ساتھ حکومت وغلبہ کی شرط نہیں لگاتے وہ قرآن کی اس تعریف سے خارج ہے جس سے اُس کو "یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر" کی امت میں شمار کیا گیا ہے۔ امر و نہی کا نفاذ حاکم ہی کیا کرتے ہیں۔ یہ ایک اہم بحث ہے جس کے متعلق عام طور پر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اس کا ذکر کبھی پھر کیا جائے گا۔ آیت زیر بحث کے متعلق مولانا کا اوّل دعوٰے یہ ہے کہ یہاں پر الارض سے مُراد ارض جنّت ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی سیاق و سباق سے یہ تفسیر نکلتی ہے جس کا سہارا حضرت مولانا نے لیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سباق کلام میں قیامت کا ذکر ہے۔ لیکن جب وہ مضمون ختم ہوتا ہے تو نیا مضمون اس آیت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو آخر سورہ تک چلا جاتا ہے۔ اور اس مضمون میں پہلی بحث کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ حضور کو رحمت اللعٰلمین کہہ کر اس دعوے کی مزید توثیق کر دی گئی ہے۔ بقول مولانا اگر اس آیت کو ماقبل سے مربوط کیا جائے تو معنی زیادہ واضح ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ اس دنیا کو مزرعہ آخرت کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ (۲۹ : ۱-۳) (۲) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ (۳ : ۱۴۲)۔ بہر نوع اگر اس آیت کو ماقبل سے مربوط کیا جائے تو ارض سے مراد ارض جنت کے نہیں ہو جاتے۔ قرآن حکیم کی جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہرگز ثابت نہیں کرتیں کہ ارض سے مراد ارض جنت ہو بلکہ ان کا مضمون بذاتہٖ مستقل ہے۔ اُن سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارض جنت کے وارث بھی وہی لوگ ہوں گے جو خدا کے احکام و قانون کے مطابق اعمال صالحہ کرتے ہیں سورہ اعراف ع ۴ کے حوالے سے یہی ثابت ہوتا ہے (ونودوا ان تلکم الجنۃ اورثتموھا بما کنتم تعملون) کہ ارض جنت کی وراثت کے اہل اس وقت ہو گے جب تم

عمل صالحہ کرو گے سورۃ مریم رعٰ کے حوالہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارض جنت کے وارث اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندے ہوں گے (من کان تقیا) اس میں کس کو کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیکوکار و صالح بندے جنت کے وارث ہوں گے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ کے نیکوکار بندے اس دنیا میں کافروں کی زمین کے وارث ہوں گے اور قیامت میں جنت کی زمین کے۔

آگے چل کر جناب مولانا وارث کے معنی مالک کے تسلیم کرتے ہیں لیکن پھر وراثت کے معنی آبا و اجداد کی جائداد کے مالک بننے کے کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے کہیں بھی اس قبیل کی تشریح نہیں کی بلکہ بار بار اعلان کیا ہے کہ اعمال صالحہ کی وراثت تم کو ملے گی لیکن مولانا خواہ مخواہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کو لے بیٹھے ہیں کہ "اس دنیا کی آبادی سے پہلے جنت حضرت آدم و حوا کو عطا کی گئی اور مومنین صالحین انہیں دونوں کی اولاد ہیں۔ اور ان کی نسبت کو ایمان و عمل صالح نے باقی و دائم رکھا۔ اس لئے وہ جنت کے مالک ہوئے اور اس جنت سے اس کی ملکیت پر ارث کا اطلاق بھی صحیح"۔ یہاں پر ارث کی بحث پیدا کرنا بالکل فضول توجیہہ ہے جب بار بار آپ اعمال صالحہ کی قید سے جنت کی وراثت کا حصول مقید ٹھہراتے ہیں تو آدم و حوا کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے۔ یا تو آپ وراثت کے معنی نہیں سمجھے یا محض آدم و حوا کی اولاد ہونے کو جنت کے استحقاق کے لئے کافی تصور کرتے ہیں۔ یہ سب قرآن کے منافی ہے۔ لیس للانسان الا ما سعی و ان سعیہٗ سوف یریٰ " (۲) لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت (۳) انہ لیس من اهلك انہ عمل غیر صالح (۴) لا ینال عهدی الظالمین ان نصوص صریحہ کی موجودگی میں وراثت کا ذکر چھیڑنا عبث ہے نیز جناب مولانا حضرت آدم کو جس جنت کا مکین مان رہے ہیں وہ بھی مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اس کا ذکر یہاں غیر متعلق تھا۔ تاہم حضرت مولانا کے تبحر علمی اور نظر اجتہاد میں احتیاط پیدا کرنے کے لیے اس کا ذکر لا طائل نہ ہوگا۔

حضرت آدم کی جنت مسکونہ میں علمائے امت کے چار اقوال ہیں۔ (۱) قیامت کی

جنت مراد ہے۔ اور یہ جنت جنت خلد تھی جو عقائد و اعمال صالحہ کا نتیجہ ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ہے (۲) جنت آخروی یا جنت سماوی جو آسمان پر موجود ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے وہاں نتائج اعمال صالحہ کی بدولت نہیں جانا پڑتا۔ (۳) یہ جنت ارض تھی۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ جنت دنیا پر موجود تھا۔ جیسے کہ دوسرے باغات ہیں (۴) توقف۔ کہ اس جنت کی تعین ہی نہیں کرنی چاہیئے۔ امام رازیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

یہ ساری بحث امام ابوحنیفہؒ کے حوالہ کے متعلق حافظ ابن قیمؒ نے حادی الارواح میں لکھی ہے جس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فقیہانہ دلائل بیان کیے ہیں۔ اور اس بات کا حوالہ کہ جنت آدم کے متعلق چار اقوال ہیں۔ تفسیر کبیر میں موجود ہے۔

اگر بقول مولانا یہاں پر ارض سے مراد ارض جنت ہی لی جائے۔ تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ارض جنت اخروی ارض جنت ہے۔ قرآن حکیم میں لفظ جنت معرف و نکرہ ہو کر دنیوی باغوں کے حق میں کئی بار استعمال ہوا ہے۔ (۱) اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ (۶۸:۱۷)
(۲) وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ - (۱۳:۴)
(۳) وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ (مومنون)

ان مثالوں کے علاوہ جن سے جنات کا زمینی باغات ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن میں ایک اور قطع کی مثالیں موجود ہیں۔ جنے جنت کا مطلب بادشاہت زمین ثابت ہوتا ہے مثلاً سورۃ شعراء میں فرعون کو بادشاہت مصر سے محروم کرنے کے متعلق ہے فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲۹:۵۷-۵۹)
یعنی پھر ہم نے فرعون کی قوم کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا ان کی عظمت یوں خاک میں ملادی۔ اور بالآخر بنی اسرائیل کو ان نعمتہائے الٰہی کا وارث بنایا سورۃ دخان میں پھر انہی فرعونیوں کی بابت ہے "كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ، كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (۴۴:۲۵-۲۸)

یعنی ان لوگوں کو کتنے ہی عالیشان باغات اور نہریں اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑنے پڑے اور کیسی کیسی آرام دہ نعمتوں کو خیرباد کہنا پڑا جن میں مزے اڑایا کرتے تھے۔ ہاں نااہلوں کی سزا یہی ہوتی تھی۔ اور ہم نے یہ بدلہ لیا کہ اس تمام ساز و سامان کا دوسروں کو وارث بنادیا سورۂ شعراء میں موت و شکست کو دعوت دینے والی قوم ثمود کے بارے میں ہے اتترکون فی ماھٰھُنا اٰمنین ۝ فی جنّٰتٍ وعیونٍ (۲۶: ۱۴۶-۱۴۸)

"تو کیا تم لوگ اس زعم باطل میں ہو کہ ان باغات اور نہروں میں بے روک ٹوک اور امن و امان سے چھوڑے دئے جاؤ گے" اسی سورت میں قوم عاد کی طرف خطاب ہے۔

واتقوالذی امدّکم بما تعلمون ج امدّکم بانعامٍ وّبنین وجنّٰتٍ و عیون (۲۶: ۱۳۲-۱۳۴) اور لوگو! اس احکم الحاکمین کی سزا سے بچو اور اس سے خوف کھاؤ جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جو تم کو خوب معلوم ہیں۔ تم کو مال، مویشی اور اولاد کی کثرت سے مدد دی۔ باغوں اور نہروں کا تم کو حکمران کیا۔ وغیرہ وغیرہ"

جنت کے متعلق یہ بحث یوں ہی ضمناً آگئی ہے جس کی طرف سرسری اشارات کر دیے گئے ہیں۔ ورنہ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور شرح و تفصیل کا محتاج۔

تعجب ہے کہ ان حیرت انگیز شہادتوں کے باوجود شارحین قرآن اور عام مسلمانوں نے جنّت کے معنے صرف آخرت کی جنت کے لے لیے ہیں اور بادشاہت زمین کا نصب العین جو اسلام اس دنیا میں لایا آنکھوں سے یکسر اوجھل ہوگیا ہے۔ مگر مسلمانوں کی ذہنیت بدل جانے سے کلام الٰہی کے معانی نہیں بدل سکتے۔ اور جب مومن کی دنیا اور دین دونوں درست ہیں اور دونوں میں باعزت زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ہی قانون ہے تو اس بات کی تفریق کہ اس دنیا میں مومن کے لیے لازم نہیں ہے کہ وہ حاکم رہے بے معنی ہے۔ مومن دنیا میں خدا کے قانون کا حامل اور اس حکومت کو قائم کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اس دنیا میں کئی نظام چل رہے ہیں۔ جناب رسالت مآب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے دنیا میں آخری کتاب نازل ہوئی جس نے تمام گذشتہ انبیا کی لائی ہوئی صداقتوں

کی تصدیق کی اور جہاں پر امم سابقہ نے تحریف کی تھی اس کا اعلان کر دیا اور قیامت تک کے لیے انسان کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک ابدی نظامِ حیات پیش کیا۔ جس کا شوشہ بھر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔ اور جس کی حفاظت کا ذمہ خود رب العالمین نے لے لیا۔ (نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون) وہ نظامِ حیات حاملین قرآن نے دنیا میں پیش کرنا ہے۔ کیوں کہ ان کی صفت قرآن میں بھی بیان کی گئی ہے "کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ..... الخ تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے نکال دیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو" وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا الخ "اور اس طرح سے ہم نے تم کو ایک بیچ کی امت بنایا ہے تاکہ تم نوع انسانی پر نگراں رہو اور رسول تم پر نگراں ہو۔"

(۳) ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ (الحج ع ۱۰)

"اسی نے تمہارا نام پہلے بھی مسلم رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی تاکہ رسول تم پر نگراں ہو اور تم لوگوں پر نگراں ہو پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کے رستے پر جمے رہو۔"

یہاں پر آپ کہہ دیں گے کہ ہم نماز تو پڑھتے ہیں اور ہم میں سے اِکّا دُکّا زکوٰۃ بھی دیتا ہے لیکن سب سے بڑی شرط "اعتصام بحبلِ اللہ" کی مفقود ہے۔ نیز نماز قائم کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ آپ میں کون ایسا ہے جو ہر ایک مسلمان کو نماز پر قائم رکھے اور ایتاء الزکوٰۃ کے لیے سر اور دھڑ کی بازی لگا دے حضرت صدیق اکبرؓ نے تو منکرین ادائیگی زکوٰۃ کو قتل کیا تھا۔ آپ کس کو قتل کرتے ہیں۔ آپ کس کے جھنڈے کی سربلندی چاہتے ہیں

مسلمان کے لیے اس دنیا میں خدائی فوجدار بن کر رہنا فرض ہے۔ اگر وہ کسی وقت ایسا نہیں ہے تو اسے ایسا بننے کے لیے جہاد کرنا ہوگا۔ اور اس سعی و جہد میں فاتح و منصور واپس لوٹنا ہوگا یا وہیں جان دے دینا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا صریح حکم موجود ہے " لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ " یہاں پر کون اعلَون سے تعلق رکھتا ہے حکم کس کا چل رہا ہے۔ تم کس قانون پر چل رہے ہو " وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ " کبھی تمہارے سامنے ہے یا اوجھل ہو گیا آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

" والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھن عن المنکر ولتاخذن علیٰ ید المسیٔ ولتطرن علی الحق اطراء ولیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض او لیلعنکم کما لعنھم اوکما قال رسول اللہ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ باختلاف قلیل) " اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم دو بدی سے روکو اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو۔ اور اسے حق کی طرف موڑ دو۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی برائیاں ایک دوسرے پر مسلط کر دے گا یا تم پر لعنت کرے گا جیسے پہلی فاسق قوموں پر کی " ان آیات و احیا کی روشنی میں مومن کون ہو سکتا ہے۔ اگر اس وقت ہم پر ذلت و مسکنت مسلط ہو چکی ہے تو کس لیے اس لیے کہ ہماری جماعتی زندگی غیر اسلامی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری ذہنیت غیر اسلامی ہے آج جو مسلمان اللہ کے قانون وراثت ارض کی یاد دہانی کرانے کے لیے کھڑا ہوتا ہے وہ ہمارے حاملین دین متین کے نزدیک سب سے بڑا " کافر " قرار دیا جاتا ہے۔ سوچیے کہ آپ کہاں ہیں اور قرآن کہاں ہے!

محمد عبدالستار خاں نیازی ایم۔اے

عقل و عشق

(از جناب سید محمد یوسف ایم۔ اے۔ علیگ۔ مسلم یونیورسٹی ۔ علی گڈھ)

دل ہو غلامِ خرد یا کہ امامِ خرد　　سالکِ رہ ہو شیار سخت ہے یہ مرحلہ

خدائے تعالیٰ نے انسان کو دل و دماغ کی دو جداگانہ قوتیں عطا کی ہیں۔ ان دونوں قوتوں کا باہمی ربط کیا ہو۔ یہ بقول علامہ اقبالؒ ایک بڑا ہی سخت مرحلہ ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو دل و دماغ کی قوتوں کا باہمی توازن ہی وہ چیز ہے جو مختلف قوموں کے فلسفۂ حیات کو ایک دوسرے سے ممیز کرتی ہے۔ مختلف قوموں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں بواسطہ اور بغیر بلا واسطہ مذہب اس مسئلہ کے مختلف حل تلاش کیے۔ کبھی عقل کو بالکل شل اور ماؤف کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ توہمات اور تاریکی کا دور دورہ ہوا اور عوام ارباب کلیسا کی غلامی اور استبداد کی زنجیروں میں جکڑ گئے۔ بالآخر دنیا نے تنگ آ کر ان زنجیروں کو توڑا۔ اور جیسا کہ ردِ عمل کا عام اصول ہے کہ وہ دوسری انتہا پر پہونچ جاتا ہے، عقل نے خوب ہی دل کھول کر دل سے بدلے لئے، اپنی سیادت کا سکہ بٹھایا اور اس دور کا آغاز ہوا جس کو تجربہ اور مشاہدہ کا دور کہا جاتا ہے حتیٰ کہ بن دیکھے خدا کے وجود میں بھی شک کئے جانے لگے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک نقطۂ اعتدال بھی تھا لیکن انسانی فطرت کا مطالعہ بتاتا ہے۔ کہ انسان کی مختلف برسرپیکار قوتوں کو حدِ اعتدال پر رکھنا بلا "فیضانِ سماوی" ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ عالم میں صرف اسلام کا باب ہی ایک ایسا زرّیں باب ہے جس میں دل اور دماغ دونوں اپنے اپنے صحیح مرتبہ پر نظر آتے ہیں۔ دوسری قوموں نے اسلام کے اس مجموعی نظام کے صرف کسی ایک جزو کو اخذ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ امن و سکون کی ان نعمتوں سے محروم رہیں جن کی اسلام نے ضمانت کی تھی۔ دوسری قومیں تو ایک طرف۔ خود مسلمانوں نے جب اسلام کی اصلی تعلیم سے انحراف کیا تو

ان کو بھی اپنے اسلاف کے گراں بہا سرمایہ سے ہاتھ دھونا پڑا۔

آیندہ سطور میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ حکیم الامتؒ کی زبان سے **عقل و دل** کے صحیح مقام کی بابت اسلامی نظریہ کی وضاحت کی جائے:۔

اسلامی اخلاق کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان کی کوئی قوت بیکار محض اور تمام و کمال مذموم نہیں اسی لئے اسلام نے کبھی کسی قوت کے استیصال کی تعلیم نہیں دی۔ رہبانیت اسی اصول کی بناء پر ممنوع قرار پائی جسم کو ایذا پہونچانا۔ یا مباحات کو حرام کر لینا عقاب کا موجب ٹھہرا۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کی ہر قوت ایک خاص مقصد رکھتی ہے اور ہر قوت اپنی "حدود" کے اندر رہ کر باعث صلاح اور اپنی حدود سے تجاوز ہو کر موجب فساد بن جاتی ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اسلامی نظریہ میں **دل و خرد** دونوں میں سے کسی قوت کو بھی کچلا نہیں جا سکتا۔ دونوں میں سے کوئی بھی بیکار اور مہمل قرار نہیں دیجا سکتی۔ اپنے اپنے مقام پر رہ کر ہر قوت کو ایک دوسرے سے متضاد ہونے اور ٹکرانے کے بجائے ایک دوسرے کی متمم ہونا چاہیئے۔ یہی "توازن قوٰی" انسانیت کا عین کمال ہے

اس عام غلط فہمی کی کہ "**علم**" اور "**عرفان**" میں کسی قسم کا تضاد ہے، **اقبالؒ** صریح طور سے تردید کرتے ہیں:۔

رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

اب دیکھنا یہ ہے کہ **خرد** کا صحیح مقام کیا ہے۔

خرد کا اصلی منصب حقایق اشیاء کا تجسس اور ان کے احوال و صفات کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ باری تعالیٰ نے انسان کو خرد کی امانت ودیعت کی، سارا عالم اس کے سامنے رکھا اور کہدیا۔

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اقبالؒ نے متعدد جگہ اس راز کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ خدا نے اس تمام "تجانۂ شش جہات" کی تخلیق صرف اس لئے کی ہے کہ انسان اس سے زیادہ سے زیادہ بہرہ اندوز ہو اور

زیادہ سے زیادہ اس کی مخفی طاقتوں سے واقف ہو اور ان کو اپنے تمتع کے لئے مسخر کرے۔ روح ارضی جن الفاظ میں آدم کا استقبال کرتی ہے قابل غور ہیں ۔

"ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں!
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ"

یہی عقیدہ تمام سائنٹیفک تحقیقات کی جڑ ہے۔ گو اوائل عہد اسلامی کسی محیر العقول سائنٹیفک تحقیقات یا ایجاد سے خالی ہو لیکن اس کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ سائنٹیفک تحقیقات کی روح کو سب سے پہلے بیدار کرنیکا سہرا اسلام ہی کے سر ہے آیات قرآنی جابجا ایسے مضامین پر ہیں کہ ہم نے ہواؤں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ جانوروں اور چوپایوں کو تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ بے شمار مواقع پر فطرت کے مطالعہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس وقت تک انسانی عقل نے جس حد تک فطرت کی طاقتوں سے فائدہ اٹھانا سیکھا تھا اس کو خدا کے بہترین انعامات و احسانات میں بتایا گیا مثلاً بادبانی کشتیوں کا ادھر سے ادھر مال لانا اور لیجانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ عقل کی آزادی کی پہلی کوشش اور اس کا منتہائے کمال ہے۔ سائنٹیفک تحقیقات کا ارتقاء چند برس کا کام نہیں۔ یہی بنیادی عقیدہ تھا جس کی بدولت بعد کو بغداد اور قرطبہ میں سائنٹیفک تحقیقات کی عمارت قائم ہوئی لیکن افسوس کہ ابھی یہ عمارت پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچی تھی کہ اغیار کے تصرف میں چلی گئی اور قسمت کی نیرنگی کہ محل کی ملکہ، باندی بن گئی اس کے برخلاف جن قوموں نے دنیاوی آسائشوں سے محرومی ہی کو معراج کمال سمجھا وہ ہمیشہ فطرت کے خلاف ایک ناکامیاب جنگ لڑتی رہیں اور سائنس کی دوڑ میں پیچھے رہیں۔

عقل کا مقام یہی ہے کہ وہ فطرت کا مطالعہ کرے اور سائنٹیفک تحقیقات میں مصروف رہے

فطرت کو خرد کے روبرو کر تسخیر مقام رنگ و بو کر

عقل کا حاصل ہے علم، ۔ اب یہاں ایک نہایت اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا علم انسانی زندگی کا منتہائے مقصود ہے؟ کیا علم مقصود بالذات ہے یا محض آلہ کی حیثیت رکھتا ہے؟ علم

منزل ہے یا فقط "نشانِ راہ"؟ اقبالؒ اس کا جواب یوں دیتے ہیں :-

ترے سینہ میں دم ہے دل نہیں ہے — ترا دم گرمیٔ محفل نہیں ہے!
گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور — چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

اسی مضمون کو دوسری جگہ اور واضح کرتے ہیں :-

خرد سے راہرو روشن بصر ہے — خرد کیا ہے؟ چراغ رہگذر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا؟ — چراغ رہگذر کو کیا خبر ہے

یہ ہیں عقل کی وہ حدود جن کا پورا پورا صحیح احساس اور سفرِ حیات میں ان پر سختی کے ساتھ کاربندیٔ قومی زندگی کے صلاح و فساد کی نہایت کڑی مگر یقینی جانچ ہے۔

وہ "منزل" کونسی ہے؟ وہ منزل دل کی منزل ہے اور وہ خانہ خانۂ دل ہے۔ علم اپنے انتہائے کمال پر پہونچکر بھی صرف ایک کنیز کی حیثیت رکھتا ہے۔ کنیز کس کی؟ دل کی۔ کیوں؟ اس لئے کہ :-

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے — بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے تجھے کیا ہو گیا ہے — خرد بیزار دل سے دل خرد سے

عقل کا ثمرہ صرف وسائل مہیا کرنا ہے۔ جن مقاصد کے لئے یہ وسائل استعمال کئے جائیں ان کی نیکی و بدی میں امتیاز کرنا عقل کے دائرہ سے خارج ہے۔ یہاں سے دل کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ یہ منصب دل کا ہے کہ وہ کتاب اور فیضانِ سماوی کی مدد سے نیک و بد مقاصد میں امتیاز کرے اور یقینِ محکم اور جذبِ اندرون کی وساطت سے تمام عقلی قوتوں اور ان کے مہیا کئے ہوئے وسائل کو قابو میں رکھے۔

عقل کا حاصل علم اور اس کا وسیلہ ہے **خبر**۔ اس کے برخلاف **دل** کا وسیلہ ہے **نظر** اور اس کا حاصل "**فقر**"۔ یہ فقر وہ نہیں جو گداگری یا عیاری و مکاری کے ساتھ حصولِ زر سکھاتا ہے بلکہ یہ فقر وہ ہے جس کے "تاج و سریر و سپاہ" ادنیٰ معجزات ہیں :-

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ — فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ

علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد — فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ!
علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم! — علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ
فقر مقام نظر، علم مقام خبر — فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ

قوت عمل کا مبدا، تمام تر فقر ہے۔ فقر کا سب سے بڑا عنصر و صفت ہے جس کو **ایمان یا یقین** کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ عزم داراں کی وہ پختگی جو جان کی بازی لگانے سے بھی نہیں جھجکتی صرف عقیدہ کی پختگی اور یقین کی محکمی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ اپنے مقصد کی صداقت و حقانیت کا پورا پورا یقین ہی وہ جوہر ہے جو انسان کو اس طرح آمادۂ عمل کر دیتا ہے کہ وہ اس کو کامیاب بنانے کی راہ میں جان تک کی قربانی کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا جس وقت تک یہ جوہر کارفرما نہ ہو فرد یا قوم میں سچی روح عمل کا بیدار ہونا ناممکن ہے۔

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کراری — مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک — نہ تیری ضربِ کلیمی ہے نہ میری ضرب ہے کاری

اسی یقین کا ایک اہم اور لازمی ضمیمہ **حضوری** ہے۔ یعنی ہر وقت اور ہر لمحہ اپنے آپ کو ایک ایسے قادرِ مطلق کے روبرو سمجھنا جو تمام جہان کا مالک ہے، جس کی گرفت سے بچنا ناممکن ہے اور جس کا قانونِ مکافاتِ نیک و بد کی پوری پوری جزا و سزا دینے والا ہے۔ یہی **حضوری** انسان کو ہر ہر قدم پر محاسبۂ نفس پر مجبور کرتی، اس کے (Conscience) کو بیدار رکھتی، اس کو حدود سے تجاوز کرنے سے روکتی .....

..... فرائض کی انجام دہی پر آمادہ کرتی اور افعالِ شنیعہ کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے مادی نقطۂ نظر رکھنے والے اصحاب کے لئے یہ امر قابلِ غور ہے کہ محض دنیاوی قانون کبھی بھی کسی سوسائٹی میں جرائم کا انسداد کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ عقل کی عیاری کا اگر کوئی علاج ہو سکتا ہے۔ تو وہ صرف دل کی حضوری ہے :-

عقل گو آستاں سے دور نہیں — اس کی تقدیر میں حضور نہیں

دل بینا بھی کر خدا سے طلب　　آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
علم میں بھی سرور ہے لیکن　　یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں
بے حضوری ہے تیری موت کا راز　　زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں

انھیں دو عناصر یعنی **یقین** اور **حضوری** سے ترکیب ہوتی ہے اس زبردست قوت محرکہ کی جس کا نام ہے "جذب"۔ اقبال نے مختلف جگہ اس کو کہیں "جذب مسلمانی" کہیں جذب قلندرانہ اور کہیں "طغیان مشتاقی" سے تعبیر کیا ہے۔ اقبال نے مختلف پیرایہ سے اس حقیقت کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ علم اور علم کے تمام وسائل صرف مشین کے پرزوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور جذب بمنزلہ قوت محرکہ کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جذب کو ہمیشہ زندگی اور فقدان جذب کو موت کہا گیا ہے:-

نہ ہو طغیان مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی　　کہ میری زندگی کیا ہے یہی طغیان مشتاقی

اک شرع مسلمانی، اک جذب مسلمانی　　ہے جذب مسلمانی سرمایہ افلاک!
اے رہرو فرزانہ بے جذب مسلمانی　　نے راہ عمل پیدا نے شاخ یقیں نمناک

اس کے برخلاف **علم** اپنی جگہ پر کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو اس کا فقدان فوری موت کا موجب نہیں ہو سکتا

چلتے کا جگر چاہیئے شاہیں کا تجسس　　جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش و فرہنگ

اگر جذب کی بے پناہ طاقتوں کا اندازہ کرنا ہو تو اسلام کے صدر اولے کی تاریخ پر نظر ڈالئے وہ کونسی چیز تھی جس نے بدر کے میدان میں تین سو نہتے مسلمانوں کو اپنے سے تین گنے مسلح دشمنوں پر ظفریاب کیا؟ جنگ قادسیہ میں جب مسلمانوں کے تیر ایرانیوں کی صفوں میں گرتے تھے تو وہ ان کو ازراہ حقارت تنکے کہا کرتے تھے۔ پھر وہ کونسی قوت تھی جس نے زنجیروں سے بندھے ہوئے ہاتھیوں کو بھی تتر بتر کر دیا اس کا جواب اپنوں کی نہیں بلکہ بیگانوں کی زبان سے سنیئے۔ تمام مستشرقین بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ دل کی قوت ہی وہ عامل تھا جس کی بدولت زبردست سے زبردست طاقتیں اسلام کے

بڑھتے ہوئے سیلاب کی تاب نہ لاسکیں :-

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے　　کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علم اور محض علم پر بھروسہ کرنا فلاح و بہبود کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ اقبال نے اس نکتہ کی مزید وضاحت کی ہے۔ وہ صرف یہی نہیں کہتے کہ جذب قوائے عمل کا سرچشمہ ہے بلکہ وہ صراحتہً علم اور محض علم پر مدار رکھنے کو راہ عمل کی ایک بہت بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ عقل کی مصلحت اندیشی قوت عمل کو کمزور بنا دیتی ہے۔

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی　　خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

عشق فرمودۂ قاصد پہ سبک گام عمل　　عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں　　عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

عقل کے نتائج کے متعلق کبھی بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حتمی اور اٹل ہے عقلی نتائج کی بنیاد محض تجربہ اور مشاہدہ پر ہوتی ہے اور چونکہ نت نئے تجربات و مشاہدات سامنے آتے رہتے ہیں اس لئے عقلی نتائج بھی قابل ترمیم و تنسیخ رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عقلی نتائج کو کبھی عقیدہ کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ عقیدہ وہی ہے جس میں کسی قسم کے تزلزل کا شائبہ بھی نہ ہو اور جس کی صحت اور عدم تبدل میں ادنیٰ شبہ کی بھی گنجائش نہ ہو۔ جس وقت تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو اس وقت تک "جوش کردار" کا پیدا ہونا قطعاً ناممکن ہے :-

عقل کی بے یقینی کے متعلق اقبال فرماتے ہیں ؎

اک دانش نورانی، اک دانش برہانی　　ہے دانش برہانی، حیرت کی فراوانی

عقل کا موجود اور، فقر کا موجود اور　　اشہدان لاالہ اشہدان لا الہ

تڑپ رہا ہے فلاطون میان غیب و حضور　　ازل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اعراف
ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب　　گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

عقل ہمیشہ ایک سعی پیہم میں مصروف رہتی ہے اور گو یہ سعی پیہم بھی ایک بہت بڑا حاصل رکھتی ہے تاہم بے یقینی کی الجھن اور کشمکش کبھی بھی وہ سکون میسر نہیں ہونے دیتی جو انسان کی تمام توجہات کو ایک نقطہ پر مرکوز کر دے اور جو اس کو ہمہ تن ایک بلند مقصد کے لئے سرگرم عمل بنا دے ؎

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو　　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

علاج ضعف یقیں ان سے ہو نہیں سکتا　　غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق

خرد کی تمام گتھیاں سلجھانے کے بعد اقبال یوں دعا مانگتے ہیں ؎

عطا اسلاف کا جذب دروں کر　　شریک زمرۂ لایحزنون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں !!　　مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

عقل کی الجھنوں کا اس سے زیادہ موثر بیان کیا ہو سکتا ہے ؎

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں　　خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغاں صبحگاہی　　اماں شاید ملے "اللہ ہو" میں

اب موضوع کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے کہ اقبال کو دور حاضر سے کیا شکایت ہے - یہ بحث دلچسپی سے خالی نہیں اس لئے کہ ایک طرف اس سے مذکورۂ بالا سطور کی تائید ہوتی ہے - اور

دوسری طرف مغربی تہذیب کی موجودہ بیماریوں کا علاج معلوم ہوتا ہے ۔ اقبال کہتے ہیں ؎

دورِ حاضر مستِ چنگ و بے سرور بے ثبات و بے یقین و بے حضور

ان سب بیماریوں کا سبب وہی عقل کو منزل سمجھ لینا ہے ؎

یہی زمانۂ حاضر کی کائنات ہے کیا؟ دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے باک

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے فرنگ دل کی خرابی خرد کی معموری

آج عموماً تمام مشرق، مغرب کی روشنی علم و ہنر سے خیرہ نظر آتا ہے اقبال بھی اس ترقی علم و ہنر کو پوری پوری قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن ان کی حقیقت بیں نظر اس راز سے بھی پوری طرح آشنا ہے کہ یہ آشیانہ صرف ایک شاخِ نازک پر بنا ہے ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا!

دیکھئے "فیضانِ سماوی" سے محروم رہ کر علم و ہنر کا کیا درجہ ہے : ۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیوان ہے یہ ظلمات

جو قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

مومن کا مقصود کیا ہونا چاہیئے ؟

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لئے لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

جو حضرات **اقبال** کے ساتھ عقیدت رکھنے اور اقبال کے فلسفۂ تعلیم سے واقفیت رکھنے کے دعویدار ہونے کے باوجود محض دنیاوی تعلیم کو کافی اور دینی تعلیم کو غیر اہم اور غیر ضروری سمجھتے ہیں، ان کے لئے یہ امر قابلِ غور ہے کہ اقبال کی نظر میں مغربی تعلیم کا سب سے بڑا نقص کیا ہے : ۔

مجھے وہ درسِ فرنگ آج یاد آتے ہیں کہاں حضور کی لذت کہاں حجابِ دلیل

محض دنیاوی تعلیم کا نتیجہ کیا؟ وہی "علم و ہنر" وہی برق بخارات" وہی چرخہ اور سوت ۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک عالم ہے جو علم و ہنر کے تمام مدارج طے کر چکا ہے لیکن اس کا پیمانۂ دل عشق کے "آب نشاط انگیز" سے خالی ہے اس کا علم و ہنر اس کی ملّت و قوم کے لئے کیا مفید ہو سکتا ہے؟ فرض کیجئے ایک ابو الکلام ہے لیکن اس کا تمام جوش بیان اور طلاقت لسان اپنی عزیز ملّت و قوم کے مفاد کے خلاف استعمال ہوتا ہے کیا اس کی ابو الکلامی قوم کے لئے موجب لعنت نہیں فرض کیجئے کہ ایک بہت بڑا مستشرق عالم اسلامیات ہے لیکن اس کا مقصد زندگی اسلام کی بیخ کنی ہے کیا یہ علم اسلام کے لئے باعث فخر ہو سکتا ہے؟ کیا علم اور محض علم کی بدولت کوئی "صنم خانہ کا سودائی" امام الہند کی مسند پر متمکن رہ سکتا ہے؟ فرض کیجئے کہ ایک نام نہاد مسلمان دستکاری کا ماہر ہے۔ نہایت اچھا سوت کاتنا اور کپڑا بننا جانتا ہے لیکن ایک غیر مسلم لیڈر کی عظمت و اقتدار سے مرعوب ہے حتی کہ غیر مسلموں کے اقتدار پر خوش ہوتا اور غیر مسلموں کی سیادت کو اپنی آزادی سمجھتا ہے کیا ایسا مسلمان (FIFTH COLUMNIST) سے زیادہ وقعت رکھتا ہے؟ سچ ہے ؎

وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن — پرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

اقبالؒ نے جا بجا اس پر زور دیا ہے کہ تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ اس سے یقین پیدا ہو اور سینہ پر نور بنے۔ اگر تعلیم کا حاصل فقط "روشنی دانش و فرہنگ" ہے تو زندگی اس کے بغیر زیادہ بہتر ہے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا — کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الہ الا اللہ — لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

یہ جوہر محبت اگر کارفرما نہیں ہے — تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی

فلسفی اور ملا سے بھی اقبال کو یہی شکایت ہے ؎

نہ فلسفی سے نہ ملا سے ہے غرض مجھکو — یہ دل کی موت وہ اندیشہ و نظر کا فساد

یہ پیران کلیسا و حرم اے وائے مجبوری　　صلہ ان کی کد و کاوش کا ہے سینوں کی بے نوری

علم کے لئے عشق کی اہمیت کا اس سے واضح بیان کیا ہو سکتا ہے ؟

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے　　علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

محض دنیاوی تعلیم ایک خاص مادی نقطۂ نظر کا سبب ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کی بنیادیں متزلزل ہونے لگتی ہیں اور مذہبی عشق و وفاداری کا نام بے جا تعصب اور پاگل پن ہو جاتا ہے دنیا میں - ہوسناکی، رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، کا دور دورہ ہو جاتا ہے - اقبالؒ کہتے ہیں ؟

چشم بینا سے ہے جاری جوئے خوں　　علم حاضر سے ہے دین زار و زبوں

علم را بر تن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

آج مسلمانوں کے لئے تعلیم نسواں کے مسئلہ نے بھی نہایت نازک اور پریشان کن صورت اختیار کر لی ہے - حقیقت میں یہ مسئلہ تعلیم نسواں کا مسئلہ نہیں جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے تعلیم نسواں کی ضرورت اور اس کی اہمیت سے تو کسی معقول پسند انسان کو بھی انکار نہیں ہو سکتا - اصل میں یہ مسئلہ لڑکیوں کے نصاب تعلیم کا مسئلہ ہے - مسلمان ایک عرصہ تک رائج الوقت مغربی نظام تعلیم سے گریز کرتے رہے لیکن بالآخر زمانہ کے حالات اور وقت کی مصلحتوں سے مجبور ہو کر اس کی طرف بڑھے اور آج اس منزل پر پہونچ گئے ہیں جہاں سے گذشتہ تجربہ کے اثرات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اور لیا جانا چاہیئے - نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ نتائج کچھ بہت زیادہ حوصلہ افزا ثابت نہیں ہوئے - رائج الوقت نصاب تعلیم لڑکیوں کے لئے وہی ہے جو لڑکوں کے لئے - یوں تو یہ نصاب تعلیم لڑکوں کے لئے بھی دل کی بربادی کا موجب ثابت ہوا لیکن لڑکیوں کی صورت میں اس کے تشویشناک نتائج کچھ زیادہ نمایاں ہیں - اول تو لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے ایک ہی نصاب تعلیم ہونا ہی بتاتا ہے کہ شروع سے عورت کا مقصد زندگی سمجھنے میں سخت غلطی کی گئی

ہے لیکن خیر وہ پہلو اس وقت ہماری بحث سے خارج ہے۔ اس نصاب تعلیم کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں دماغ کے نشوونما کا تو خیال رکھا گیا ہے لیکن دل کی تربیت کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ایک روشن دماغ یقیناً ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دل کا نور بھی لازمی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ مشرقی خاتون رفتہ رفتہ دل کی ان تمام مایۂ ناز خصوصیات سے عاری ہوتی جاتی ہے جو صدیوں سے اس کا طرۂ امتیاز رہی ہیں۔ ایک مغربی تعلیم یافتہ مغرب زدہ خاتون یہ سمجھتی ہے کہ ماں، باپ بھائی کی اطاعت و فرمانبرداری محض اقتصادی غلامی کا ایک مظہر ہے زندگی کے مشکل مرحلوں میں ان بزرگوں کی رائے اور تجربہ سے مستفید ہونا صرف جہالت کی علامت ہے وہ یہ سمجھتی ہے کہ مشرقی خاتون اپنے شوہر کے ساتھ جو وفادارانہ سلوک کرتی تھی حالت مرض میں اس کی تیمارداری اور حالت مصیبت میں غمگساری، یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنی ضروریات کے لئے شوہر کی محتاج ہوتی تھی اور اس میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ اقتصادی حیثیت سے خود آزاد ہو سکے۔ خانہ داری کے کام وہ اپنے مرتبہ سے کم سمجھتی ہے بچوں کی تربیت اور نگہداشت کو اپنی تفریحات کے لئے باعث خلل جانتی ہے۔ دماغ کی ایسی اصلاح جو دل کے فساد کی موجب ہو اور ایسا علم و ہنر جو جوہر نسائیت یعنی عشق و محبت کے لئے سم قاتل ثابت ہو کبھی بھی باعث مسرت نہیں ہو سکتا۔ اقبال انھیں خیالات کا اظہار ان اشعار میں کرتے ہیں ؎

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت — ہے حضرت انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن — کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن — ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

آج دنیا کے بین الاقوامی مسئلہ کو لیجئے۔ اس وقت تک اس کا کوئی اطمینان بخش حل نہ ہو سکا اس کی وجہ یہی ہے کہ محض عقل و خرد کی مدد سے اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی حالانکہ اس کا حل اگر ہو سکتا ہے تو صرف 'عشق' کے ذریعہ سے کوئی انسانیت کا دم بھرنے والوں سے

پوچھے کہ جغرافیائی قومیت کی بناء پر عالمگیر امن و اخوت کی بنیادیں کس طرح استوار رہ سکتی ہیں۔ مخلوق خدا کو اقوام میں بانٹ دینے مذہبی رشتہ کو فرسودہ و مہمل قرار دینے اور سب سے بڑھ کر وطن و ملک کے مادی و اقتصادی مفاد کے لئے ہوسناک و دیوانہ بن جانے کے بعد باہمی مفاہمت رواداری اور ہمدردی محض ایک دھوکا نہیں تو اور کیا ہے؟ انسانیت کی نجات اسی میں ہے کہ ایک عالمگیر وحدت نظری کی تلقین کی جائے اور وطن و ملک کو صرف ایک UNIT OF ADMINISTRATION سے زیادہ وقعت نہ دی جائے۔ اگر وطنیت کو اس سے زیادہ درجہ دیا گیا تو اقوام کی باہمی رقابت و خانہ جنگی ایک ناگزیر امر ہے جس وقت تک وطنیت کا تصور قائم ہے۔ ہر بیس پچیس سال کے بعد دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں ایک ہٹلر کا نمودار ہونا طبعی ضروریات میں سے سمجھنا چاہیئے۔ یورپ کی موجودہ جنگ صرف وطن پرستی اور قومیت کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ جس وقت تک وطنیت کا دور دورہ ہے۔ امن عالم یا صرف امن یورپ قائم رکھنے کی تمام کوششیں بے سود ہیں۔ جمعیۃ اقوام اور تخفیف اسلحہ کی کانفرنس کا حشر کیا ہوا؟ یہ تصور کہ تحدید اسلحہ سے جنگ کا انسداد ہو سکتا ہے۔ سراسر دھوکہ ہے۔ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کے زمانے میں بم اور ہوائی جہاز کہاں تھے؟ لیکن کیا اس زمانے میں خونریزیاں نہیں ہوئیں؟ اگر قلوب انسانی ہمدردی اور قادر مطلق کے خوف سے خالی ہیں تو پھر **دماغ** ہلاکت و بربادی کے کچھ نہ کچھ وسائل مہیا کر ہی لے گا۔ حقیقت میں اسلحہ کی تحدید ضروری نہیں بلکہ دل کو حدود میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر **دل** صحیح ہے نیک و بد کی تمیز رکھتا ہے، سزا اور جزا پر پورا پورا یقین رکھتا ہے تو ہٹلر اور مسولینی کے تمام اسلحہ کبھی بھی ایک بے جا خون کے موجب نہیں ہو سکتے ؎

دانش و دین و علم فن بندگی ہوس تمام　　عشق گرہ کشائے کا فیض نہیں ہی عام ابھی

آج دنیا میں اقتصادی وسائل سب سے زیادہ ہماری توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ نظام سرمایہ داری کی ناانصافیوں سے کسے مجال انکار ہے؟ عقل یہ سمجھتی ہے کہ صرف سیم و زر میں مساوات نہ ہونا، ایک فرد کا دوسرے فرد کی بہ نسبت چند پیسے زیادہ رکھنا بلکہ یوں کہیئے کہ فرد کا حق ملکیت

ہی ان تمام بیدر دانہ ناانصافیوں اور مظالم کا اصلی سبب ہے جو آئے دن ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ کیا ایک سرمایہ دار ایک مزدور پر محض اس لئے ظلم کرتا ہے کہ وہ زیادہ دولت کا مالک ہے؟ نہیں بلکہ اصلی سبب "احساس مروت" کا فنا ہو جانا ہے ؎

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت　　احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

عقل، جس کا دائرہ نگاہ ہمیشہ مادیات تک محدود رہتا ہے، یہ سمجھتی ہے کہ اگر دو شخصوں کو گن کر برابر برابر روپئے دئے جائیں اور ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر مالی حیثیت سے کوئی برتری حاصل نہ ہو تو ان دونوں کے درمیان مساوات کی صحیح روح پیدا ہونا لازمی اور ضروری ہے کیسی کھلی ہوئی غلطی ہے! کیا مساوات کوئی ایسی ٹھوس اور مادی چیز ہے جس کو آپ ناپ یا تول سکیں یا تعداد و شمار سے اس کا اندازہ کر سکیں؟ اجتماعی مساوات تو اصل میں ایک روح ایک دلی کیفیت، ایک انداز خیال کا نام ہے۔ اس کو اقتصادی مساوات سے کوئی تناسب نہیں کہ اقتصادی مساوات کے ساتھ ساتھ گھٹے اور بڑھے۔ اس کے لئے تو صرف **دل** کی تربیت کی ضرورت ہے۔ اگر احساس مروت باقی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ ایک مالدار اور ایک کم دولت رکھنے والا دونوں شانہ سے شانہ ملا کر کھڑے ہوتے ہیں اور دونوں کے دل میں یہ خیال تک نہیں گذرتا کہ میں بورژوا طبقہ سے تعلق رکھتا ہوں اور یہ پرولٹاریٹ طبقہ سے۔ وہ دونوں تمام احوال زندگی میں اسی طرح قدم بقدم چلتے ہیں۔ دونوں مساوی انسانوں نہیں بلکہ ایک دوسرے سے محبت و خلوص رکھنے والے دو بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، ایک دوسرے کی شادی غمی میں شریک ہوتے ہیں۔ مالدار شخص غریب کی عیادت کرنا، اس کے جنازہ میں شریک ہونا اس کے یہاں دعوت میں حصہ لینا غرض اور اسی طرح سے اس کے تمام حالات زندگی میں برابر کا شریک رہنا اپنا فرض مذہبی سمجھتا ہے اس کو یقین کامل ہے کہ اگر اس نے ان فرائض کی ادائیگی میں ذرا بھی کوتاہی کی تو وہ اس خالق برتر کے سامنے جواب دہ ہوگا جو اس کا اور اس سے کم دولت رکھنے والے بھائی دونوں کا خدا ہے۔

اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اقتصادیات، نظام زندگی کا کوئی غیر اہم اور غیر قابل توجہ شعبہ ہے

نہیں اس کی اپنی اہمیت اپنی جگہ پر ہے لیکن اس کے لئے صرف چند ایسے بنیادی اصولوں کی ضرورت ہے کہ دولت ہمیشہ متحرک رہے۔ ہر شخص کو اپنی محنت کا پورا پورا ثمرہ ملے اور نسبتاً زیادہ دولت رکھنے والا اسی احساس مروت سے مجبور ہو کر اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اپنی زائد دولت کے ایک حصہ میں شریک کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھے۔ بس اس کے آگے بڑھنا اور دولت کے فرق کو بالکل مٹا دینے کی کوشش کرنا ایک سعی عبث، غیر ممکن العمل بلکہ ناانصافی کو متضمن ہے۔ انسانی عقل سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے تجربہ کر چکی اور آثار بتلاتے ہیں کہ اسلام کے نظریہ سے قریب تر آتی جاتی ہے۔ اس کا ثبوت مسٹر گاندھی کے اس بیان سے ملتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"نہ تو مالدار نیست و نابود ہو سکتے ہیں اور نہ غریبوں کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ امیروں کو دوسروں کی اعانت کا سبق سکھانا چاہیئے اور غریبوں کو اپنی مدد آپ کرنے کا" ہریجن مورخہ ۹ جون ۱۹۴۰ء

روپیہ پیسہ کو باہمی مساوات کا مقیاس بنانا حقیقتاً اس "احساس مروت" سے دستبردار ہو جانا ہے جس پر اجتماعی مساوات کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں۔ ضرورت تو صرف اس امر کی ہے کہ ہم دل و دماغ دونوں کی ایسی تربیت کریں کہ دماغ تو مشین بنانے اور چلانے میں مصروف رہے اور دل ——— ایسا دل جو مروت اور خدا ترسی کے جذبہ سے مالا مال ہو ——— دماغ پر حکمرانی کرے۔

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش — لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف
مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی — اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب — مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب
تازہ میرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا — عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بولہب

ماحصل یہ کہ کائنات زندگی کی اساس قلب پر ہے اور قلب کی تعمیر قرآن کریم سے ہوتی ہے۔ وہ قرآن کہ

چو بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چو دیگر شد۔ جہاں دیگر شود

مردم شماری اور مسلمانوں کا فرض

کانگریسی حکومت کی اڑھائی سالہ مطلق العنانی کے بعد یہ امر محتاج تشریح نہیں رہا کہ اگر برادران وطن کے پاس عنانِ حکومت ہو۔ تو وہ کس طرح مسلمانوں کو ہدفِ ستم بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی جن شکایات کے چرچے ہوئے اور ان کی فہرستیں مرتب پائیں وہ صرف محسوس اور ظاہر واقعات پر مشتمل تھیں لیکن وہ غیر محسوس اور دور رس اسکیمیں اور تحریکیں جو نسلاً بعد نسل مسلمان قوم کو آہستہ آہستہ پراگندہ کمزور اور اچھوت بنانے کے لئے ہندو دماغ نے اختراع کی تھیں عوام کے علم سے باہر رہیں۔ بہرحال وہ ذہنیت جو برادرانِ وطن کی ہر تحریک میں کارفرما ہے ایسی ابھری ہوئی ہے کہ اسے ہر بینا آنکھ دیکھ سکتی ہے بشرطیکہ اس پر خود فریبی یا مصلحت کوشی کی پٹی نہ بندھ رہی ہو۔

پچھلے دنوں مولوی فضل الحق صاحب وزیراعظم بنگال نے جو مکتوب مفتوح چندر بسوا کے حادثہ قتل کے متعلق گاندھی جی کی خدمت میں تحریر فرمایا اس سے بھی واضح ہو چکا ہے کہ نہ صرف تعلیم گاہیں اور دوسرے حکومتی ادارے بلکہ عدالتیں بھی جو فرقہ دارانہ تعصب سے آزاد اور انصاف و عدل کی میزان کی محافظ سمجھی جاتی ہیں کانگریسی عہد حکومت میں کس طرح ہندوؤں کے خفیہ منصوبوں کو بروئے کار لانے کا مؤثر ذریعہ بن کے رہ گئی تھیں۔

ہندوستان میں آجکل **جمہوریت** کا بہت چرچا ہے۔ ہر ہندو اس جذبے سے سرشار تنگ دل مسلم لیگی پر طعنہ زن ہے کہ وہ قومیت پرستی اور جمہوریت نوازی کی وسعتوں کو چھوڑ کر فرقہ واری کی تنگنائی کی طرف کیوں مائل ہے۔ ہم اسے ستم ظریفی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ہم کشادہ دلی و عالی ظرفی کا اپدیش و وعظ ان ہندوؤں سے سننے پر مجبور ہوں وہ ہندو جنھوں نے آج تک از روئے مذہب۔ کروڑوں اچھوتوں کو انسانیت کے دائرے سے باہر رکھا ہوا ہے اس حد تک باہر کہ اگر وید کا کوئی منتر یا شلوک اس کے گندے کان میں پڑ جائے

تو اس کان میں سیسہ بھر دیا جائے۔ تاکہ اس کا پلید کان سماعت کے قابل نہ رہے یہ ہیں وہ مدعیانِ جمہوریت جو آج اپنے بازو مسلمان کو اپنے اندر مدغم کرنے کے لئے پھیلا رہے ہیں اور انہیں دعوت دے رہے ہیں۔ کہ وہ بھی اسی کشادگی سے بہرہ یاب ہوں جس سے زمانہ گذشتہ میں دوسری قومیں لذّت اندوز ہو کر فنا ہو چکی ہیں۔ اگر آج گاندھی جی اچھوتوں کو اپنا رہے ہیں۔ تو اسی لئے کہ کسی طرح ہندوؤں کی اکثریت قائم رہے اور اس کی بنیادیں استوار۔ کیونکہ موجودہ مغربی اندازِ جمہوریت "تعداد" کی کثرت کی بناء پر ہی حکومت کی ضمانت دے سکتا ہے اس لئے گاندھی جی نے اس چیز کو اپنا نصب العین حیات بنا لیا ہے کہ اچھوتوں کو ساتھ ملا کر ایک کثیر قوم کی شکل اختیار کر لیجائے اور ان کے محافظ و نگراں بن کر ملک کی حکومت پر قابض اور دوسروں کے حقوق پر غاصب رہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہندوؤں نے جب اپنی اقلیت کو اکثریت میں بدلنے کے لئے مذہب جیسی چیز کو بھی بالائے طاق رکھ دیا تو اس کے بعد وہ اپنی اکثریت کو برقرار رکھنے اور مسلمانوں کی تعداد کو کم کرنے کے لئے ہر حربہ بلا تامل استعمال کریں گے۔ اس مقصد کے لئے سب سے اہم موقعہ مردم شماری کا ہوتا ہے اور اسی کی طرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانا ہمارے پیش نظر ہے اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک محض عددی اقلیت و اکثریت کوئی شئ نہیں لیکن جس آئینی دور سے ہم گذر رہے ہیں۔ اس کے مقتضیات سے آنکھیں بند کر لینا بھی خودکشی کے مرادف ہے اس دور میں جمہوریت کا دارومدار تعداد پر ہے اگر مسلمان کل آبادی کا ۲۵ فی صدی ہیں تو ان کے حقوق کا تعین بھی اسی نسبت سے ہوگا۔ اس لئے ہندو کی پوری کوشش یہ ہوگی کہ مسلمانوں کی تعداد کو کم دکھایا جائے اور اسی طرح ان کے حقوق کو اور بھی غصب کیا جائے چنانچہ ان حالات کے پیش نظر ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے حقوق کی کما ینبغی حفاظت کریں اور ہر اس مذموم کوشش کو ناکام و نامراد بنائیں جس کے ذریعہ ہندو مسلمان کی تعداد کو کم دکھانے اور اس کے حقوق پر چھاپہ مارنے کی فکر میں ہے۔

مردم شماری کا انحصار قاطبۃً شمار کنندگان ENUMERATORS پر ہے اگر شمار کنندگان ملازمین حکومت ہوئے۔ تو بھی حکومت کے دوسرے شعبوں کی طرح ان کی اکثریت ہندوؤں کی ہوگی۔ لیکن یہ ملازم نہیں ہوتے بلکہ اعزازی طور پر کام کرنے کے لئے پبلک سے انتخاب کئے جاتے ہیں۔ اسلئے ان کی اکثریت

بھی ہندوؤں کی ہوتی ہے اور حسب خاطر بہت کچھ کرنے کے مواقع بھی حاصل ہو سکتے ہیں) اس لئے ہمیں اس آنے والے خطرے سے ہوشیار رہنا چاہیئے اور حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیئے کہ ینیو مریٹرس ہمیشہ دو ہوں - ایک ہندو اور ایک مسلمان - اور فارم پر دونوں کے دستخط موجود ہوں اس باب میں زیادہ احتیاط کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد بالعموم ناخواندہ ہے اس لئے ان کے مذہب و ملت کے اندراج کا فیصلہ شمار کنندہ کی مرضی اور قلم پر ہوتا ہے - اس کے بعد ایسے مسلمان ان کا شکار بنتے ہیں جن کے عرفی نام ہندوانے ہوں مثلاً سنیچر میاں - بدھو میاں وغیرہ اب سنیچر اور بدھو کا ذکر تو فارم میں آگیا - لیکن میاں غائب یعنی بیک جنبش قلم وہ مسلمان سے ہندو بن گئے - غرضیکہ یہ چالیں بڑی تیزی اور مستعدی سے کام میں لائی جا سکتی ہیں - جو احتیاطیں اس باب میں عام طور پر برتی جا سکتی ہیں اجمالاً ذیل میں درج کیجاتی ہیں :-

(۱) نام نام عرفی نہ لکھا جائے - اگر کسی شخص کا نام لعل محمد ہے تو اسے یہی نام لکھانا چاہیئے نہ صرف لالو - لالو کو ہندو کے خانے میں لے جانا کچھ دشوار نہیں ہوگا -

(۲) مذہب اس خانے میں اسلام یا مسلمان درج ہونا چاہیئے - کسی فرقہ کا ذکر نہیں ہونا چاہیئے کہ اسلام میں فرقہ داری کی کوئی گنجائش نہیں -

(۳) ذات مسلمانوں کو اول ذات کا خانہ بالکل خالی رکھنا چاہیئے - لیکن اگر اسے پر کرنا ایسا ہی ضروری ہو تو وہاں بھی مسلمان ہی لکھانا چاہیئے - اس سے زائد کوئی اور چیز بشکل ذات یعنی سیّد مغل - پٹھان - راجپوت - جلاہا - ترکھان وغیرہ نہ درج کی جائے اسلام کسی ذات کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا

(۴) زبان اس خانے میں سوائے اردو کے اور کچھ نہ لکھوایا جائے آجکل جبکہ اردو پر ہر جانب سے یورش ہو رہی ہے - ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے کلچر و تہذیب کی محافظ و حامل زبان اردو کی پوری حفاظت کریں - اغیار اس کی بیخ کنی پر آمادہ ہیں یہ نہ ہو کہ ہماری غفلت سے مردم شماری اس بات پر منتج ہو کہ ہندوستان کی عام فہم زبان ہندی ہے - نہ کہ اردو -

مندرجہ بالا احتیاطیں یوں تو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ضروری ہیں - لیکن بنگال سی - پی - مدراس - یو - پی وغیرہ صوبجات میں ان پر عمل پیرا ہونا اور بھی ضروری ہے - کیونکہ ان صوبوں

کے مسلمان ظاہری شکل و شباہت اور تراش خراش میں ہندوؤں سے زیادہ ممیّز نہیں اور وہ بآسانی برادرانِ وطن کے مقاصدِ شنیعہ میں غیر شعوری طور پر ممد و معاون بن سکتے ہیں ۔

ہمارے خیال میں اگر یہ چھوٹی چھوٹی احتیاطیں عام مسلمانوں کے ذہن نشین کرادی جائیں تو ہم کئی خطرات سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ نیز ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ مردم شماری میں پوری دلچسپی لے۔ اس میں تغافل مسلمانوں کے لئے سخت نقصان کا موجب بن سکتا ہے۔ ہندو اسی آنے والی مردم شماری کے لئے بڑے زور شور سے تیاریاں کر رہے ہیں۔ ہندو لیگ اور آریہ لیگ کی بنیادیں ہی اس مقصد پر قائم کی گئی ہیں ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم لیگ اس کام کو اپنا فریضہ سمجھ کر کلیتہً اپنے ذمّہ لے لے۔ اور دیگر مسلمان لیگ کے کارکنوں سے پورا پورا اتحادِ عمل کریں ۔

"مں ۔ ا یس ۔

اس باب میں اگر آپ حضرات کے سامنے کوئی اور تدابیر بھی ہوں تو ان سے ہمیں مطلع فرمائیے طلوعِ اسلام کے صفحات اس غرض کے لئے ہر وقت کھلے ہیں ۔ (طلوعِ اسلام)

تپِ دق کی طرح "پائریا" کے تین درجے ہیں

اوّل ۔ دانتوں کی تمام تکالیف اور مسوڑھوں سے کبھی کبھی خون کا آنا دوئم مسوڑھوں میں پیپ کا پڑ جانا سوئم ! پیپ اور خون کی زہریلی نجاستوں سے معدہ کا ماؤف ہو کر جسم میں صدہا خطرناک امراض کا نمودار ہونا۔ اور دردر بھری حسرتناک موت ۔ "پائریا" کا علاج آسان نہیں اور بلا سمجھے کسی دوا کا استعمال اور بھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے ۔ لیکن آپ ابھی تک محفوظ ہیں یا خدانخواستہ کسی درجے میں ہیں ۔ دانت اور مسوڑھوں کی کوئی تکلیف ہو ۔ ہم دنیا بھر میں واحد قطعی حکمی اور مکمل سائنٹیفک علاج کے لئے آپ کو وہ آسان طریقہ بتلائیں گے جس کو آپ کا دل تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہوگا ۔ مہربانی فرما کر اپنے پتہ سے اطلاع دیں ۔

حائی جیا انڈسٹریز (انڈیا) انبالہ چھاؤنی

طلوعِ اسلام

کے

شائع کردہ پمفلٹوں کا

سٹ

گذشتہ دو سال میں سیاست ہند یہ میں مسلمانوں سے متعلق کون کون سے اہم مسائل پیدا ہوئے اور اہل الرائے حضرات نے انہیں کتاب و سنت کی روشنی میں کس طرح دیکھا ؟

اگر

آپ اپنے طور پر معلوم کرنا چاہیں تو آپکو دقت ہوگی

لیکن

اگر آپ ہم سے دریافت کریں تو ہم بڑی آسانی سے آپ کو بتا سکیں گے - اس لئے کہ یہ سب کچھ ان پمفلٹوں میں موجود ہے جو اس دوران میں طلوع اسلام کی طرف سے شائع کئے جاتے رہے ہیں اور جو ہزار کی تعداد میں ملک میں تقسیم ہو چکے ہیں یہ پمفلٹس نہ صرف سیاست بلکہ دین کے اور شعبوں سے متعلق اہم مسائل پر بھی معلومات کا عمدہ ذخیرہ اپنے اندر رکھتے ہیں -

سٹ میں حسبِ ذیل پمفلٹ موجود ہیں

(۱) دار دہا سکیم اور مسلمان (۲) سوراجی اسلام (۳) زبان کا مسئلہ (۴) خدا کی بادشاہت (۵) اسلام اور مذہبی رواداری
۴۴ صفحات ۲ر ۳۴ صفحات ۲ر ۳۶ صفحات ۲ر ۲۸ صفحات ۲ر ۲۲ صفحات ۲ر

(۶) متحدہ قومیت اور مولنا حسین احمد مدنی (۷) عرضداشت بخدمت علمائے کرام (۸) اشتراکیت اور اسلام
۶۲ صفحات ۲ر ۲۴ صفحات ۱ر ۷۸ صفحات ۳ر

(۹) مسلمان کی زندگی (۱۰) کانگریس بے نقاب (۱۱) راشٹریتی ابوالکلام آزاد (۱۲) شخصیت پرستی (۱۳) علم حدیث
۲۲ صفحات ۲ر ۲۶ صفحات ۲ر ۳۶ صفحات ۲ر ۵۲ صفحات ۲ر ۲۴ صفحات ۲ر

(۱۴) جہان نو ۸۰ صفحات ۴ (۱۵) اسلامی معاشرت ۵۶ صفحات ۴ر

یعنی ۶۴۴ صفحات کا مجموعہ دو روپیہ ۲ر (عہ) میں علاوہ محصول ڈاک طلوع اسلام کے نمونے کے لئے ۴ر کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں

ناظم :- ادارہ طلوع اسلام - شمیم منزل - شیدی پورہ - دہلی

اسلامی معاشرت

نقشِ ثانی

از جناب پرویز صاحب

دیکھنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا پمفلٹ ہے لیکن افادی حیثیت سے بڑی بڑی تصانیف پر بھاری ہے مسلمان کی روزمرہ کی زندگی کس قسم کی ہونی چاہیئے۔ اس کا ماحول کیسا ہونا چاہیئے اس کی عادات و اخلاق کا خاکہ۔ اس کے رہنے سہنے کا ڈھنگ اس کے تمدن و معاشرت کے خط و خال، اس کی تعلیم و تہذیب۔ اس کے دنیاوی معاملات۔ اپنوں اور بیگانوں سے اس کے تعلقات غرض کہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر انداز و اسلوب قرآنی آئینہ میں کیسا ہونا چاہیئے۔ اس چھوٹے سے پمفلٹ میں یہ سب کچھ آگیا ہے اور اس قدر سادہ اور دل نشین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر بات سیدھی دل میں اتر جاتی ہے اور لطف یہ کہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا گیا۔ بلکہ ہر چیز قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی آیات میں بیان کی گئی ہیں بچوں کے لئے یہ پمفلٹ بہت ہی مفید ہے۔ اسلامی مدارس میں بطور نصاب کے داخل کر لیا جائے تو طلباء کے قلب و دماغ کی تعمیر صحیح اسلامی بنیادوں پر ہو جائے۔ قیمت ۴ محصول ۱

ادارۂ طلوعِ اسلام دہلی

رجسٹرڈ ڈاک نمبر 4240

معاملہ کی ضروری باتیں

(۱) طلوع اسلام ہر انگریزی مہینے کی یکم کو التزاماً شائع ہو جاتا ہے اور نہایت احتیاط سے حوالۂ ڈاک کیا جاتا ہے۔

(۲) رسالہ موصول نہ ہونے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ دس تاریخ تک دیجئے۔ ورنہ بعد میں شاید پرچہ موجود نہ ہو اور اگر موجود بھی ہوگا تو بلا قیمت نہ مل سکے گا۔

(۳) تبدیلی پتہ کی اطلاع ۲۵ تاریخ سے پہلے پہنچ جانی چاہیئے۔

(۴) جس ماہ کی خریداری کا چندہ ختم ہوتا ہے اس مہینہ کے پرچہ کے اندر ایک اطلاع (جوابی کارڈ) رکھ دیا جاتا ہے جواب ایک ہفتہ کے اندر اندر آنا چاہیئے۔

(۵) چندہ سالانہ پانچ روپیہ سالانہ معہ محصول ڈاک ہے اور قیمت فی پرچہ ۱/۸ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں خریدار کو کفایت اور منتظمین کو سہولت رہتی ہے۔

(۶) ہر رقم موصولہ (خواہ وہ کسی ذریعہ سے موصول ہو) کی ایک رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۷) وی۔پی طلب کرنے کے بعد اسے موصول نہ کرنا ادارہ کو بلا جرم سزا دینے کے مرادف ہے۔

(۸) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پتہ پورا اور صاف لکھئے نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمائیے۔

(۹) آپ اپنا تعارف نمبر خریداری کے ذریعہ سے ہی کرا سکتے ہیں۔ اس لئے اس نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے ورنہ ہمیں بے حد دقت اور آپ کو ناواجب شکایت ہوگی۔

(۱۰) نمبر خریداری یاد نہیں رہا کرتا کہیں نوٹ کر چھوڑیئے۔

(۱۱) "طلوع اسلام" کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ بلکہ ملت اسلامیہ کے اجتماعی مقاصد کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے اس لئے اس سے اشتراکِ عمل اور معاونت ایک ملی خدمت ہے۔

(۱۲) خوش معاملگی کی استواری کی بنیاد یہ ہے کہ فریقین ہر وقت خدا کو اپنے درمیان رکھیں۔ واللہ المستعان

(۱۳) نمونے کے پرچے کے لئے ۴ر کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ ناظم

ادارہ طلوع اسلام دہلی

Printed at the Jayyed Press, Delhi.